انتقال پدرِ پیر بھی دیکھا مین نے | ماتم مادرِ دلگیر بھی دیکھا مین نے
صدمۂ رحلتِ ہمشیر بھی دیکھا مین نے | دو برادر کو جوان میر بھی دیکھا مین نے

یہ نمائش کدۂ داغ عزیزان تو ہین
میرا سینہ ہی الٰہی یہ چراغان تو ہین

فریادِ اکبر

وہ اشعار جو شاعر نے اڈیٹر معارف کے نام خطوط مین گاہ گاہ لکھے

سوا خدا کے کسی کا خیال آنہ سکا، | غمون نے کام دیا دل کی پاسبانی کا

اپنے غمخانے کا دروازہ کرو بند اکبر | اب نہین کوئی سوا موت کے آنے والا

دنیا سے تعلق کیا رکھون، کیون زحمت اٹھاؤن اسکے لیے؛ | دل کہتا ہی اور سچ کہتا ہی، کے دن کیلیے؟ اور کسکے لیے

وہ چمن ہی جل گیا جس مین لگائے تھے شجر | اب تجھے پا کر مین ای بادِ بہاری کیا کرون
جان ہی کا جسم مین رہنا ہی مجھکو ناگوار | دوستون سے ادعاے دوستداری کیا کرون

غزل فارسی

غیر مطبوع

گرچہ تاراج دل و دین کردۂ | عاشقان را دین و ایمانی ہنوز
تیر تو از سینۂ دل خستگان | بر نیآید بآسانی ہنوز
دین و دل خود آشکارا بردۂ | ہمچنان از دیدہ پنہانی ہنوز
کشتہ صد رہ در ہجرم دین عجب | زندہ ام دارد گران جانی ہنوز
نیمۂ از وصف تو کم کردہ ام | خوب تر از ماہ کنعانی ہنوز
شبلیا چون زلف اُو ہم در وصال | جمع گشتی و پریشانی ہنوز

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۰۸۱
مجلد اول | ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۱۶ء | عدد چہارم

فہرس مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

"خان بہادر" مولوی بشیر الدین صاحب جو **البشیر** نام، ایک زعفران زار اخبار کے اڈیٹر ہین، انکے اختراعات اور جدّت طرازیون کی داد دیتے دیتے گو ہم تھک گئے ہین، لیکن مسلمانون کو فخر کرنا چاہیے کہ انکا مایۂ ناز صنّاع اپنی صنعتگریون کے نت نئے تماشا نمائیون سے نہین تھکتا، آپکی ایک تازہ ایجاد ۲۶ ستمبر کے البشیر مین ظاہر ہوئی ہے۔ غریب کے نزدیک دنیا اور اسکی ضرورتین صرف ایک ہی گھروندے سے عبارت ہے، جسکا نام اُنکی زبان مین "علیگڈھ کی مرکزیت ہی"، ہمناکہ مین علی گڈھ کی تحریک سے مخالف نہین۔ لیکن اُسکے نادان دوستون کی حمایت پر بے اختیار ترحم آمیز ہنسی آتی ہی،

دار المصنفین کے قیام اور اسکی تاسیس و ترقی کی داستان، اگر انکے لیے خوش آیند نہین تو ہم دعا کرین گے کہ خداے پاک اُنھین وہ عمرِ دراز دے جب ملت مرحومہ کی ایک ایک ضرورت کی تکمیل کے لیے سیکڑون مرکزی مجمع اور مجالس اُنکی آنکھون کے سامنے آجائین، غالباً یہ متوقع الحصول موقع انکے لیے سب سے زیادہ اندوہگین اور پُرحسرت ہوگا،

مرا بخیر تو امید نیست، بد مرسان،

یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ مولویصاحب نے اب تاریخ دانی مین بھی بے انتہا مہارت حاصل کرلی ہی وہ تاریخ کو محض واقعات کا تذکرہ نہین سمجھتے، بلکہ فلسفیانہ انداز پر اس سے استنباط نتائج، اعتبار عواقب، فکر مستقبل کی ضرورت جانتے ہین، فرماتے ہین کہ اسی لامرکزیت کا اثر تھا کہ حکومت "مغلیہ" اور ٹرکی مین صوبون کے انحلال واستقلال سے ضعف آگیا، یا للحیرۃ والعجب! یہ صوبون کا گناہ مجرمانہ تھا یا مالکِ تخت وتاج کا ضعف مرکزی، اور عدم قابلیت نظم استیلار، انھین فلسفۂ تاریخ کا ایک اور مسئلہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کسی قوت کے ضعف وانحلال کے بعد نئی قوتون کا ظہور فطرۃً لازم ہے، کہ ارض اللہ بے نظام نہین رہ سکتی، کیا وہ یہ چاہتے ہین کہ "محمد شاہ" اور "سلطان عبدالعزیز" اپنی رنگ رلیون مین رہین، اور باین ہمہ صوبہ داریان سرنیاز آستانِ عقیدت پر خم کیے رہین!
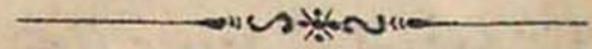
دار المصنفین کی بے اہمیتی کی انکے نزدیک سب سے بڑی دلیل یہ ہی کہ وہ اُس سے واقف نہین اِس بنا پر تو دنیا کی بڑی بڑی مہات کا سب سے زیادہ ماتم کرنا ہوگا کہ انکو مولویصاحب موصوف کے تعارف کا کبھی شرف حاصل نہ ہوا،

لذت شناسِ تندی و مستی نبودہ است آن بوالہوس کہ در گرو عزّ و ناز بود
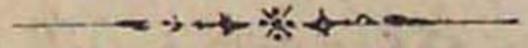
استاذ مرحوم نے وقتاً فوقتاً اخبارات ورسائل مین جو مضامین لکھے تھے، ہمارے ایک ندوی عزیز مولوی معین الدین قدوائی نے بڑی زحمت وتلاش سے انکو یکجا کیا ہی، اور عنقریب وہ حوالۂ طبع ہونگے، انکا نام مضامین شبلی ہوگا، عزیز موصوف مولانائے مرحوم کی تقریرون کا مجموعہ بھی شائع کرنا چاہتے ہین جو خطباتِ شبلی کے نام سے موسوم ہوگا، مکاتیب شبلی کی دوسری جلد بھی زیر طبع ہے۔ اور [illegible] صفحہ کے بقدر چھپ چکی ہے،

صدیقِ محترم مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی اطال اللہ بقاءہ نے البلاغ کے اعلان سے لوگون کو معلوم ہوگا کہ وہ قرآن کریم کی چندسال سے تفسیر لکھنے مین مصروف ہین، عربی زبان کے مشہور انشاپرداز زمخشری نے قرآن مجید کی تفسیر کشاف لکھکر ادب عربی پر الگ، اور مباحث اسلامی پر الگ جو غیر فانی احسانات کئے ہین، ہندوستان اور زبان اُردو کے زمخشری سے اُس سے کم توقع نہین کیجاسکتی،

گذشتہ سال وہ سورۂ نساء تک کی تفسیر پوری کرچکے تھے، تحریر مین اختصار مدنظر تھا صرف اُنھین آیات کی تفسیر پر اکتفا کیا تھا جنکی کسی خاص حیثیت سے بالفعل ضرورت ہی یا جنکی تفسیر مین اونکو دیگر مفسرین سے اختلاف تھا، لیکن حالت یہ ہے کہ مسلمانون کی ضرورتون یا قرآن مجید کی معجبات معنوی کو کہانتک مختصر کیا جاسکتا ہے، لاجرم جب اُنھون نے اعادۂ نظر کیا تو ہر جگہ تفصیل کی ضرورت محسوس ہوئی، اور اب دوبارہ نئے سرے سے پھر تفصیل وتشریح کے ساتھ انھون نے لکھنا شروع کیا ہے جس مین احکام فقہیہ، مباحث کلامیہ، مہمات ادبیہ، اختلافات مجتہدین، ہر چیز پر مفصل نقد وتبصرہ و فیصلہ وتحقیق وکاوش ہوگی،
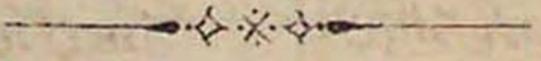
اسی سلسلہ مین ارباب علم کو ایک اور خوانِ نعمت کی ہم خوشخبری سناتے ہین، عربی زبان مین عقلی طور پر تفسیر کبیر امام رازی کی طرز پر جو تفسیرین لکھی گئین، ان مین سب سے بہتر ابومسلم اصفہانی المتوفی ۳۲۲ھ کی تفسیر ہے، جسکی خود امام رازی نے بے انتہا داد دی، اور جابجا انکی تفسیر کے اقوال بلفظہا انھون نے نقل کئے ہین، تفسیر مذکور اب دنیا سے ناپید ہی، اُس کا ایک صفحہ بھی کہین ملجائے تو قدردانون کے نزدیک لعل وگوہر سے گران تر ہے،

یورپ مین قاعدہ یہ ہے کہ جن قدمائے مصر ویونان وروم کی تصنیفات ناپید ہوگئی ہین

اور پچھلی کتابون مین اُنکے جو حوالے اور نقلین موجود ہین، خالص انکو لیکر یکجا کر دیا ہے، اور اس گم شدہ
شے کی ایک حد تک تلافی ہوگئی ہے۔ ہم یہ چاہتے تھے کہ تفسیر کبیر کے ناپید اکنار دریا مین ابو مسلم
کے جو موتی پڑے ہین، انکو قرینہ سے ایک رشتہ مین منسلک کر دینا چاہیے، تفحص و تلاش سے
معلوم ہوا کہ اس مقصد مین بے انتہا کامیابی ہو سکتی ہے، چنانچہ مولوی محمد سعید انصاری رفیقِ دار المصنفین
اس خدمت گذاری مین مصروف ہین جس رفتار سے کام ہو رہا ہے اُس سے امید ہوتی ہے کہ چند
مہینون مین اختتام کو پُہنچ جاے، اسکے بعد ٹائپ تو میسر نہین آ سکتا، عمدہ لیتھو پر خوش اسلوبی سے
انشاء اللہ العزیز مطبوع ہوگا۔

انجمن ترقی اُردو اگر اجلاس اپنا کانفرنس سے الگ کرتی ہے تو دوازدہ سالہ تجربہ کے خلاف
نہین کرتی، گذشتہ سال جب مجھے اسکی صدارت کا شرف حاصل ہوا تھا، اجلاس سے صرف ڈیڑھ دو
روز پہلے مجھے اسکا علم ہوا، بہرحال جلدی جلدی مجھسے جو کچھ بن آسکا وہ ایڈریس بنکر نذر ہوا، یہ دوسری
بات ہے کہ اس جلدی کا کچا پکا کھانا بھی احباب کے پسند آیا، اس علیحدگی کا سب سے پہلا فائدہ تو ہمکو یہ نظر آتا ہے
کہ بجاے ۲ دن پہلے کے اب ۹۰ دن پہلے صدارت کو اپنے انجام فرض کے غور کا موقع ملگیا،

لیکن اصلی سوال یہ ہے کہ اب تک تو خیر اسی کی شکایت تھی کہ کانفرنس کی جسیم البطنی کے ساتھ
مہمانی سے فائدہ اُٹھانے کا ہمکو کم موقع ملتا ہے، لیکن اب جب کہ بلا شرکت غیرے تنہا ضیافت کا
سامان ہاتھ آیا ہے، تو تین شب و روز کی کثیر مقدار کیونکر اس حالت مین کھائی جا سکے گی،

مقالات

کشفِ حقیقت

مسئلہ زوجۂ غیر متفق علیہا

یعنی

جس بیوی سے شوہر کو تغافل ہو، یا اُس کو نفقہ شوہر سے نملے، اُسکا اسلام مین کیا حکم ہے؟

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ — چون ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

ایک مُدت سے اخبارات کے کالمون مین ایک اتفاقی واقعہ کے پیش آجانے پر اس مسئلہ کی نسبت
بحث و نزاع جاری ہے، منازعہ کے ایک فریق ہمارے صدیق افخم مولانا **ابو الکلام آزاد**، اور
دوسری جانب شمس العلما مفتی **عبد اللہ** ٹونکی اور بعض اور علماے احناف ہین، کلکتہ کے مشہور روزنامہ
اخبار **صداقت** نے اس اختلاف کی بناے اساسی اجتہاد و تقلید کے متنازع فیہ اصول کو قرار
دیا ہے، مولانا ابو الکلام نے وکیل و صداقت مین مسلسل مضامین کا جو طویل الذیل سلسلہ شروع کیا تھا، اُسکا
استناد زیادہ تر بعض ائمۂ حدیث کے اقوال سے ہے۔ علماے احناف فقہ کی جزئیات پیش کرتے
ہین، چونکہ اصل مسئلہ کی صورت نزاعی مباحث کے بادلون مین چھپکر رہ گئی ہے اسلیے کشف حجاب کی
ضرورت ہے، نیز اس مسئلہ سے اسلام کے حقوق ازدواجی کی بڑی حد تک تفصیل ہوگی، اسلیے بھی
سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اِن مباحث کو طے کرنیکی حاجت ہے،

مسئلہ کی سرگذشت

پنجاب کی کوئی مسلمان خاتون اس مصیبت مین گرفتار ہے کہ شوہر نے تعلقات
ازدواجی اُس سے یکسر منقطع کر لیے ہین، مصارف ضروری اور نفقہ بھی کبھی ادا نہین کرتا اور اس

واقعہ پر ایک عرصۂ دراز گذر چکا ہے۔ خاتون نے اپنی مصیبت کا چارۂ کار لاہور کی انجمن مستشار العلماء سے چاہا۔ احناف کے ہان عدم ادائے نفقہ کی بنا پر اصل اساسِ نکاح پر اس کا کوئی اثر نہین پہنچتا اِس بنا پر اس صورت مین انکے ہان اِس اشکال کا حل یہ ہے کہ وہ شوہر کے نام سے قرض لیکر مصارف ضروری کی تکمیل کرے، چنانچہ مستشار العلماء نے بھی فتوے کے جواب مین احناف کے اِس مسئلہ کا ذکر کر دیا، لاہور کے آریہ اخبار **پرکاش** نے اس کا یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام کے ابدی قانون مین اِس مصیبت کے لیے کوئی چارۂ وعلاج نہین،

مولانا ابوالکلام نے پرکاش کے جواب مین اپنے مخصوص زور تحریر اور اندازِ بیان مین ایک سلسلۂ مضامین لکھکر ثابت کیا کہ مستشار العلماء کی غلطیون کا ذمہ دار اسلام نہین، اگر کوئی بیوی اپنے مصارف ضروریہ کے لیے شوہر کی جانب سے نفقہ نپائے تو اسلام کی شریعت کی رو سے ایسی صورت مین نکاح فسخ ہوجاتا ہے اور حاکم کو تفرق کا حق حاصل ہے، مولانائے ممدوح نے تمام اجلّۂ صحابہ کو کبار تابعین وسلف صالحین کا یہی مسلک قرار دیا، اور لکھا کہ اگر احناف مین یہ مسئلہ مسلّم نہو تو دفع ضرر کے لیے دیگر مجتہدین کے فتاوے پر عمل جائز ہے،

مستشار العلماء نے بھی اِسی اصول کی رو سے بر وفق مذہب حنابلہ ابطال نکاح کا فتوے دیدیا تھا، ایک اور عالمِ حنفی نے مولانا ابوالکلام کے اِس فتوے پر نکتہ چینی کی کہ بعض ائمہ کے نزدیک فسخ وتفریق صرف اُس صورت مین جائز ہے جب شوہر کو ادائے نفقہ کی استطاعت نہو، یہ اطلاق وتعمیم جو مولانا کے جواب مین پائی جاتی ہے صحیح نہین، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری نے فقہ حنفی کی کسی کتاب کا حوالہ پیش کیا اور مولانا ابوالکلام نے ایک طویل سلسلۂ بحث وتحقیق کے ذریعہ ہر حالت مین بحالت عدم ادائے نفقہ فسخ وتفریق کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی۔ **وکیل** کا بیان ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق اسکے پاس متعدد تحریرین علماء کی آئین، دیگر اخبارات مین بھی کم وبیش یہ سلسلہ جاری رہا،

اخبارات مین اِن مضامین کو پڑھکر تھوڑی دیر کے لیے ہم یہ سمجھ لیتے تھے کہ یورپ کا عرصۂ ہیجا سینما ہی کا غذی صورتون کے ذریعہ ہمارے سامنے آگیا ہے، یا ژاژخایانِ قدح پیما کسی خمخانۂ مجاز سے ابھی ابھی نقد خرد کھو کر باہر آئے ہین،

حریفان از نگاہِ شوخ او زان گونہ بدمستند ۔ کہ محفل سر بسر یک بزم خمار است پنداری

معلقہ کی حقیقت

اوّل اصولی غلطی یہ کی گئی کہ خاتون کے مسئلہ معروضہ کو صرف عطائے نفقہ وعدم نفقہ تک محدود کر دیا گیا حالانکہ سوال مذکور تعلیق کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اور غالباً مولانا ابوالکلام نے اِسی سے مسئلہ کا عنوان "فسخ نکاح زوجۂ معلقہ" قرار دیا، گو اصل مضمون مین اس کا اشارہ نہین ملتا، قرآن پاک نے تعلیق کو ایک جرم حقیقی قرار دیا ہے؛ جاہلیت مین رواج تھا کہ شوہر اپنی بیوی کو بدنامی کے خیال سے یا شرارت سے نہ تو کامل طلاق دیتا تھا اور نہ فرائض زوجیت ادا کرتا تھا، قرآن مجید نے کہا

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقہ (نساء)

اپنی بیویون کے درمیان اگر تمھاری پوری خواہش بھی ہو تو عدل نہین قائم رکھ سکتے تو ایسا نہ کرو کہ ایک طرف بالکل جھک جاؤ اور دوسری کو گویا "معلقہ" کردو،

امام المفسرین **ابن جریر طبری** نے مجاہد کی روایت سے اس آیۂ کریمہ کی حسب ذیل تفسیر کی ہے

فلا تمیلوا باھوائکم الی من تملکوا محبتہ منھن کل المیل حتی یحملکم ذلک علی ان تجوروا علی صواحبھا فی ترک اداء الواجب لھن علیکم من حق فی القسم لھن والنفقة علیھن والعشرة بالمعروف فتذروھا کالمعلقہ یقول فتذروھا التی ھی سوی التی ملتم باھوائکم الیھا کالمعلقة ھی

ایسا نہ ہو کہ محبوب بیوی کی طرف اس طرح بالکل جھک جاؤ کہ دوسری بیویون پر ادائے فرائض مین سے باری کی تقسیم عطائے نفقہ اور حسن معاشرت مین ظلم کرو، اور غیر محبوب کو معلقہ کی طرح بناکر چھوڑدو یعنی گویا وہ نہ بیاہی ہے

كالتى لاهى ذات زوج ولاهى ايم،	نہ کنواری،

اسکے بعد مفسر طبری نے قتادہ، حسن بصری، ضحاک، مجاہد اور خود متصلاً حضرت ابن عباسؓ سے معلّقہ کی تفسیرین نقل کی ہین جو مفسر موصوف کی تائیدمین آخری تفسیر یہ ہے،

المعلقة التى ليست بمخلاة ونفسها فتبتغى لها وليست متهيئة كهيئة المرءة من زوجها ولا مفارقة فتبتغى لنفسها فتلك المعلقة	معلقہ وہ ہے کہ جس کو نہ تو اپنی ذات کا اختیار دیا جاتا ہے کہ کوئی اور شوہر تلاش کرے، اور نہ میان بیوی جسطرح رہتے ہین وہ رہتی ہے، یہی معلقہ ہے

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ معلقہ کی صورت مین سوال صرف نفقہ کا نہین، بلکہ معاشرت عائلی اور مصالح اجتماعی کا ہے،

اسلام اور مسئلہ معاشرت ازدواجی

ازدواج درحقیقت نسل انسانی کے صلاح، اور اجتماع بشری کے خیر کے لیے ہے، اسلام نے ازدواج کی حقیقت نہایت واضح طور سے بتلا دی ہے، سب سے پہلی چیز مودت اور روحانی سکون ہے،

وخلق لكم من انفسكم ازواجاً لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة (روم)	تمھاری ہی جنس سے تمھاری بیویان پیدا کین کہ انکے پاس سکون حاصل کرو اور تم دونون کے درمیان مہر محبت قائم کی

ازدواج کا اس سے زیادہ ضروری مقصد اس عالم فنا و موت مین ہمیشہ اپنے بعد ایک صالح یادگار کا ابقاء اور ایک سعید انسانی جماعت کی تشکیل ہے، نیک مندون کی اسلام نے یہ شناخت بتائی ہے:۔

والذين يقولون ربنا هب لنا من ازواجنا وذرياتنا قرة اعين واجعلنا للمتقين اماما (فرقان)	اور وہ لوگ جو کہتے ہین خداوندا! بیویون اور اولاد سے ہمکو آنکھ کی ٹھنڈک عطا کر، اور ہم کو پرہیزگارون کا رہنما بنا،

اس بنا پر سب سے پہلے اس بات کی ضرورت تھی کہ معاشرت ازدواجی کو تمام ممکن طرق سے اسطرح خوشگوار بنایا جائے کہ یہ باغ وبہار، خزان ویرانی کے صدمون سے ہمیشہ کے لیے محفوظ رہ جائے، اسلام کے فرمانِ ابدی نے کہا،

عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ( )	بیویون کے ساتھ لطف وخوبی سے زندگی گزارو

اس سے زیادہ تفصیل حقوق کی حاجت تھی، قانون انسانی کا بے پایان دفتر حقوق کی جو کچھ تفصیل کرے، وہ قرآن پاک کے ان دو جملون کے اندر ہے،

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء)	عورتون کے حقوق مردون پر اسیطرح ہین جسطرح مردون کے حقوق عورتون پر

سورۂ طلاق مین ہے،

ولا تضاروهن لتضيقوا عليهن	اونکو تنگ کرنے کے لیے انکو نقصان نہ پہونچاؤ،

وحی الٰہی کے حامل اکبر علیہ الوف التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:

خيركم خيركم لاهله وانا خيركم لاهلى (صحاح)	تم مین بہتر وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کیلیے بہتر ثابت ہو،

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے

من كان له امراتان يميل مع احدهما على الاخرى جاء يوم القيمة احد شقيه ساقط	جس کسی کی دو بیویان ہین اور وہ دونون مین صرف ایک کی جانب ہو دوسرے کو نہین تو قیامت مین اسطرح آئیگا کہ اسکا ایک پہلو ساقط ہوگا

آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع مین جو اعلان فرمایا تھا، اس کا ایک فقرہ یہ بھی تھا،

فاتقوا الله فى النساء الخ (صحاح)	عورتون کے بارے مین خدا سے ڈرو

پھر اگر دنیا مین کوئی بدبخت انسان ایسا ہے جو بیوی کی اطاعت مندی اور نیک سرشتی کے باوجود، فرمان الٰہی کے فراموش کرنے مین بے باک ہے، اور اس نے یکسر اپنے فرائض زوجیت کو دل سے بھلا دیا ہے اور عملاً ہر قسم کے اداے حقوق سے قاصر ہے، بااین ہمہ آمادہ طلاق نہین، اسلام

اس اجتماع بشری کی سخت ترین بیماری کے لیے کیا علاج قرار دیتا ہی؟ اس سوال کا جواب قرآن مجید کی حسب ذیل آیت مین تلاش کرنا چاہئے،

وَاِنِ امْرَءَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء)

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے "عدم ادائے حقوق" یا اعراض کا ڈر ہو تو اس مین مضایقہ نہین کہ دونون آپس مین کوئی مصالحت کرلین، اور صلح ہر حال مین بہتر ہی

صلح کی یہی صورت ہی کہ بیوی اپنے بعض حقوق سے دست بردار ہو جائے اور شوہر اس شرط کے ساتھ اپنی قید نکاح مین رکھنا قبول کرے، لیکن اگر بیوی زیادہ صبر کی متحمل نہین ہوسکتی اور اس مصیبت کو آیندہ گوارا نہین کرسکتی، تو پھر متفقہ حکم ہے کہ شوہر کو دو باتون مین سے ایک بات قطعاً کرنی ہوگی، یا حسن معاشرت سلوک رکھے، یا بیوی کو طلاق دیکر علیحدہ کردے، یہ احکام آیات نشوز پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے مستنبط ہو سکتے ہین،

وَاِنِ امْرَءَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا، وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا، وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ، فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ، وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا، يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

اگر کسی عورت کو اپنی شوہر کے عدم ادائے حقوق یا اعراض کا ڈر ہو تو آپس مین مضایقہ نہین کہ باہم صلح کرلین صلح ہر حال مین بہتر ہی بخل جو اس ناراضی کا سبب ہی وہ دلون مین رکھا ہی گیا ہی اگر تم مردنیکی اور پرہیزگاری سے کام لو تو خدا تمہارے کامون سے واقف ہی، تم اپنی بیویون کے درمیان عدل کی پوری خواہش کے باوجود عدل قائم نہین رکھ سکتے تو ایسا نہو کہ ایک کی طرف بالکل جھک پڑو اور دوسری کو معلقہ کیطرح چھوڑ رکھو اگر صلح کرلو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو خدا غفور رحیم ہی اور تمھاری بے جا زیادتی کو خواہ وہ کسی جانب سے ہو معاف کریگا، اور اگر دونون علیحدہ ہو جائین

حَكِيْمًا (نساء)

تو خدا دونونکو اپنی قدرت سے مالا مال کردیگا، خدا بڑا قدرت والا اور دانا ہے

صحابہ کرام اور حضرات تابعین رضی اللہ عنہم سے اِن آیات کی تفسیر، اور ان احکام کے فتاوی مین اسی قسم کے اقوال مذکور ہین،

فله ان يرضيها او يوفيها حقها كله او يطلقها، (طبری)

اِس حالتمین شوہر کو چاہیے کہ یا بیوی کو (بعض حقوق کی دست برداری پر) رضی کرے یا اُسکے پورے حقوق ادا کرے، یا طلاق دیدے،

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا کی تفسیر امام ابن جریر طبری لکھتے ہین:

يعنى بذلك جل ثناءه فان ابت المرءة التى قد نشز عليها زوجها واعرض عنها بالميل منه الى ضرتها لجمالها وشبابها وغير ذلك مما تميل النفوس اليها الصلح لصفحها لزوجها عن يومها وليلتها وطلبت حقها منه من القسم والنفقة وما اوجب الله لها عليه وابى الزوج الاخذ عليها بالاحسان الذى ندبه الله اليه بقوله وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا والحاقها فى القسم لها والنفقة والعشرة بالتى هو اليها مائل فتفرقا بطلاق الزوج اياها يغن الله كلا من سعته (ج ۵ ص ۱۸۸)

خدائے عزوجل کا مقصد ہی کہ اگر وہ عورت جسکے حقوق شوہر ادا نہین کرتا یا اُس سے وہ اعراض کرتا ہی اور دوسری کو چاہتا ہی جو اُس سے حسن یا جوانی یا کسی اور سبب سے جسکی بنا پر دلکا میلان ہے، اس مصالحت سے انکار کرے کہ وہ اپنی شب روز کی باری دوسرے کو دیدے، اور وہ تقسیم نفقہ یا اُن دیگر واجبات مین جو شوہر پر خدانے فرض کیے ہین، اپنا حق مانگے اور شوہر بیوی پر اس احسان و لطف سے انکار کرے جسکی خدا نے اس آیت مین اُسکو دعوت دی ہی "اگر تم نیکی اور پرہیزگاری سے پیش آؤ تو خدا تمہارے اعمال سے واقف ہی" اور اُس کو دوسری بیوی کی طرح تقسیم، نفقہ، اور حسن معاشرت مین شریک نکرے تو شوہر کی طلاق سے وہ دونون علیحدہ ہو جائینگی،

لیکن شوہر طلاق ندے تو اس مصالحت اور تفریق کی عملی صورت کیا ہوگی؟ قرآن مجید نے اسکی تدبیر یہ قرار دی ہی:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (نساء)

اگر میان بیوی مین اختلاف کا خوف ہو تو ایک آدمی اس کے گھرانے سے اور ایک اُنکے گھرانے سے بھیجو،

خفتم کا تخاطب ارباب امر و قضاۃ سے ہے، حکم (پنچ) جو فیصلہ کرینگے، وہ نافذ ہوگا، اور آثار سنت سے ثابت ہوتا ہی کہ یہ فیصلہ عدالت اور قضاۃ سے بھی قابلِ سند ہوگا، امام مالکؒ نے موطا مین حضرت علیؓ کے فیصلہ سے اور امام **شافعی** نے کتاب الام مین حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے طرزِ عمل سے استناد کیا ہی،

اگر شوہر کی حقیقت مین تنگ گیری، اور ظلم ثابت ہو جائے تو فقہائے مدینہ و حجاز کے نزدیک جبراً طلاق پڑجائے گی اور زر فدیہ بھی عورت کو واپس کر دیا جائے گا،

امام **مالکؒ** نے موطا مین لکھا ہی:

قال مالک فی المفتدیۃ التی تفتدی من زوجها انه ان علم ان زوجها اضر بها وضیق علیها وعلم انه ظالم لها مضی الطلاق ورد علیها مالها (جبراً علیه) هذا الذی کنت اسمع ام الناس علیه،

جو فدیہ دیکر عورت شوہر سے علیحدہ ہو تو اگر فیصلہ کیا گیا کہ شوہر نے اس کو نقصان پہنچایا اور اسکو تنگ کیا، اور یہ معلوم ہو کہ وہ اُسپر ظلم کرتا ہی تو طلاق پڑجائیگی اور جبراً شوہر سے زر فدیہ واپس کرا دیا جائیگا، اور یہی مین نے سنا اور یہی پر لوگون کو پایا،

قاضی **ابن رشد** مدونہ کے مقدمات ممہدات مین امام صاحب کے فتوی کی حسب ذیل تشریح کرتے ہین:

ولما کان النشوز من قبله ولم ترض ذلك فعله فالواجب علیه ان یفارقها ...... وان تداعیا فی ذلك وتفاقم الامر بینهما وارتفعا الی الحاکم حکم بینهما حکمین حکما من اهله وحکما من اهلها قال الله عز وجل فی کتابه حیث یقول وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا معناه عند اهل العلم علمتم ذلك وخفتم تزایده فان تبین لهما ان الظلم من قبل الزوج فرقا بینهما بغیر غرم تغرمه المراۃ ویکون لها نصف صداقها (ج ۲ ص ۴۵۲)

عدم ادائے حقوق کا قصور شوہر کی جانب سے ہی اور بیوی کو اسکا یہ فعل پسند نہین تو شوہر پر فرض ہی کہ اسکو علیحدہ کرے۔ اگر دونون نے ایک سرے پر دعوی کیا اور معاملہ حاکم تک پہنچا، تو حاکم دو آدمی کو ایک اِدھر سے ایک اُدھر سے حکم مقرر کرے جیسا کہ خدا نے قرآن مین فرمایا کہ "اگر میاں بیوی مین اختلاف ہو تو ایک اسکے خاندان سے اور ایک اُسکے خاندان سے حکم مقرر کرو" اہل علم کے نزدیک اس آیت کے مطلب یہ ہین کہ تمکو جب اس اختلاف کا حال معلوم ہوا، اور اس اختلاف کے اور بڑھنے کا خوف ہو تو اگر قصور شوہر کی جانب سے ہو تو اُنکے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور عورت کو کوئی تاوان نہین دینا پڑیگا اور اسکو نصف مہر ملیگا،

امام شافعی نے کتاب الامُ مین بھی اسی قسم کا فتوے دیا ہے آیت نشوز کی تفسیر کے بعد لکھتے ہین:

فیحل للرجل حبس المراۃ علی ترك بعض القسم لها او کله ما طابت به نفسا فاذا رجعت فیه لم یحل له الا العدل او فراقها،

مرد کو عورت کا اس شرط سے اپنی نکاح مین رکھنا کہ وہ اپنے بعض حق یا تمام حق سے دست بردار ہو جائے (برضا) لیکن اگر وہ اپنی دست برداری واپس لیلے تو شوہر مجبور ہی کہ عدل کرے یا اس کو چھوڑ دے،

لیکن یہ واضح رہنا چاہیے کہ خلع اور فدیہ صرف اُسی صورت مین ممکن ہے کہ شوہر نے مہر ادا کر دیا ہو۔ ہندوستان کے دستور رائج کے مطابق شوہر عموماً، عملاً مہر ادا نہین کرتے، اسلیے ایسی صورت کے پیش آنے پر شوہر کو پہلے مہر ادا کرنا چاہیے، اور بعد اُسکے زر فدیہ واپس لینا چاہیئے، یا حصہ مطلب کے وضع کے بعد بقیہ زرِ مہر ادا کر دینا چاہیے، اگر حکم کا فیصلہ کسی فریق کو منظور نہو تو تنفیذ قانون کے لیے ہندوستان کی انگریزی عدالتون کی طرف رجوع سے چارہ نہین، اور وہی قائم مقام سلطان ہونگی

فقہا اور ائمہ کے بعض الفاظ تشریحی یا شان نزول سے یہ شبہہ نہ ہو کہ یہ احکام صرف اس صورت کے ساتھ مخصوص ہین جب چند بیویان ہون اور ایک کو وہ ترجیح دے اور اورون سے قطع نظر کرلے، کیونکہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے اور وہ ہر قسم کے نشوز و اعراض کو متضمن ہی مطلب تو یہ ہے کہ شوہر، عورت کے حقوق ادا نہ کرے خواہ اس بنا پر کہ وہ ایک بیوی کی طرف اس قدر ملتفت ہے کہ دوسرون کی پروا نہین کرتا، یا وہ مطلقاً ایک ہی بیوی ہو اور اُسی کے ساتھ عدل و معروف سے پیش نہ آے " الحمد للہ الذی وفقنا لفہم کتابہ والاخذ بخطابہ،

زوجۂ غیر متفق علیہا ایک دوسرا مستقل مسئلہ یہ ہی کہ اگر شوہر بیوی کے صرف مصارف ضروری ادا نہین کرتا یعنی فریقین مین مسئلہ متنازع فیہ صرف عدم نفقہ ہے تو اس صورت مین اسلام کا قانون کیا ہی؟

نفقہ کی اہمیت سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے شوہر پر بیوی کی طرف سے جو فرائض عائد کئے ہین، ان مین نفقہ کی اہمیت کا درجہ کیا ہی؟ شوہر بیوی کو دو چیزین ادا کرتا ہی، مہر اور نفقہ، مہر اس بات کا معاوضہ ہی کہ وہ اپنی زندگی شوہر کے لئے نذر کرتی ہی، نفقہ اس تمتع کا معاوضہ ہے جو شوہر کو ہمیشہ بیوی کی ذات سے حاصل ہوتا ہی، قرآن پاک نے شوہر کو بیوی پر جو فوقیت عطا کی ہی اسکی صرف دو وجہین قرار دی ہین، اول مردون کا طبعی تفوق، دوم شوہر، بیوی کو کشمکشہائے عالم سے نجات دیکر تمام ضروری سامان کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہی:

الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض، وبما انفقوا من اموالہم (نساء)

مرد عورتون پر سردہرے ہین، اِسلئے کہ خدانے ایک کو دوسرے پر برتری دے رکھی ہے (یعنی طبعاً) اور اسلئے کہ وہ اپنی دولت اُن پر صرف کرتے ہین

معاویہ بن حیدہ، ایک صحابی نے خدمت نبوی مین آکر سوال کیا:

یا رسول اللہ صلعم ما حق زوجۃ احدنا علیہ قال ان تطعمہا اذا طعمت وتکسوھا

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اُسکو کھلاؤ، جب تم

اذا اکتسیت (رواہ ابوداؤد، والنسائی وابن ماجہ واحمد)

پہنو تو اسکو بھی پہناؤ،

حجۃ الوداع کے موقع پر اُمت مرحومہ کو آپ نے جو آخری پیغام سُنایا، اس مین اس مظلوم فرقہ کی دادرسی ان الفاظ مین کی،

ولہن علیکم رزقہن وکسوتہن بالمعروف (رواہ مسلم)

عورتون کا تم پر کہانا اور کپڑا فرض ہے،

صحیحین مین ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان کی بیوی ہند جب بیعت کے لئے خدمت اقدس مین حاضر ہوئین تو اُنھون نے عرض کی، یا رسول اللہ! ابوسفیان بخیل آدمی ہین اور اتنا نہین دیتے جو میرے اور میرے بچون کی ضروریات کے لئے مکتفی ہو، تو مین اُنکی لاعلمی مین کچھ لے لیتی ہون، کیا یہ بھی گناہ ہی؟ آپ نے فرمایا تم رسم کے مطابق بقدر کفاف لے سکتی ہو،

نفقہ کی مقدار کیا ہونی چاہیئے، فقہار نے تعداد و وزن سے اُسکی تحدید کرنی چاہی ہے لیکن درحقیقت یہ ارتکاب فاحش ہی، ضرورت کی تحدید اور سامان زندگی کا اندازہ صرف شوہر کی مالی وسعت کے مطابق ہو سکتا ہی، قرآن مجید نے ایک دوسرے موقع پر اس اُصول کو بہ تصریح ذکر کردیا ہی،

لینفق ذو سعۃ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق ما اتاہ اللہ، لا یکلف اللہ نفساً الا ما اتاھا (طلاق)

اہل دولت اپنی دولت مین سے دین، اور جن پر روزی تنگ کی گئی ہی وہ جو کچھ خدا اسکو دیتا ہی اس مین سے دے، خدا کسی کو اس سے زیادہ کی تکلیف نہین دیتا جو اس نے دیا ہے،

مباحث عدم نفقہ قرون اولی با این ہمہ اگر شوہر اس قرض کو ادا نہین کرتا تو علی الفور اسکی سزا فسخ یا تفریق نہین ہے، جو اختلاف اِسوقت درپیش ہی، وہ نہ تقلید و اجتہاد کی ہنگامہ آرائی ہی، نہ فقہ و راے اور حدیث و خبر کی باہمی جنگ و جدل ہی بلکہ صرف کتاب اللہ اور سُنۃ الرسول کے فہم و استنباط کا فرق مراتب ہی، کہ تصریحی اور نصی طریقہ سے یہ مسائل کتاب و سنت مین مصرح نہین ہین، الا اعند الذی

وفقه الله لفهم خطابه، والاستنباط من سنة رسوله كتابه،

ان اختلافات کی تاریخ شوکانی اور ابن امیر یمنی کے عہد سے بہت پہلے شروع ہوتی ہی، تابعین کرام رضی اللہ عنہم کے اس باب مین متعدد اقوال ہین، لیکن یہ تمام تر اقوال صرف ایک مسئلہ کے متعلق ہین، یعنی شوہر کے پاس ادائے نفقہ کا سامان نہین، تو کیا حکم ہے، اسی مسئلہ کو فقہ مین مسئلہ نفقۃ الاعسار کے عنوان سے لکھتے ہین،

سلف صالحین کے اس باب مین تین فریق ہین،

فریق اوّل: حمّاد، ربیعہ، امام مالک، امام احمد،

فریق دوم: امام زہری، عطا، حَسن بصری، ابن جریج، ابن شبرمہ، ابوسلیمان، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ،

فریق سوم: جس سے دو مختلف اقوال مروی ہین، حضرت عمر بن عبدالعزیز، سعید بن مسیب امام شافعی،

فریق اول کی رائے یہ ہی کہ شوہر کے افلاس کی حالت مین مُطلقاً تفریق کردیجائیگی، خواہ خود عورت نکاح کو فسخ کردے یا قضا اپنے حکم سے علٰحدگی کردے، دُوسرا فریق کہتا ہی کہ تفریق جائز نہین بلکہ عورت کو صبر و تحمل اور محنت سے کام لینا چاہئے،

حرمِ قُدس

یعنی

مسجد نبوی

عہدِ بنی عبّاس ولید کے بعد ایک مُدّت تک مسجد نبوی مین کسی نے کچھ اضافہ نہین کیا، دفعتہً جب بنی عباس نے اسلام کی حکومت کا دعویٰ کیا، اور ابوجعفر منصور تخت خلافت پر مسند نشین ہوا تو اُسنے اضافہ کا ارادہ کیا، اگرچہ موت نے اُس کی آرزو کو پورا ہونے نہین دیا، تاہم اُسکے بیٹے **مہدی** کو یہ سعادت نصیب ہوئی، مہدی سنہ ۱۶۰ھ مین حج کو آیا، حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ کی زیارت کی، اور اُسی سفر مین اُسکو تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ سنہ ۱۶۱ھ مین عبداللہ بن عاصم بن عبدالعزیز اور عبدالملک بن خبیب الغسانی کو خاص تعمیر کے کام کے لیے متعین کیا، اور سنہ ۱۶۵ھ مین تعمیر کا کام ختم ہوا، اب کی بار مسجد مین اور متعدد گھر شامل کرلیے گئے، اور شامی جانب سو گز کا اضافہ ہوا،

مہدی کے بعد مسجد نبوی مین کسی قسم کا اضافہ نہین کیا گیا، یہان تک کہ سنہ ۶۵۴ھ مین ایک ملازم کی غفلت سے مسجد مین آگ لگ گئی، اور اس شدت سے لگی کہ چھت، منبر، دروازے، کتابین، مصاحف غرض تمام ساز و سامان، جلکر خاک سیاہ ہوگئے، صرف ایک قبہ جس کو **ناصر لدین اللہ** نے ذخائر حرم کی حفاظت کے لیے تعمیر کروایا تھا، بچ گیا، بعض ستون بھی قائم رہے، لیکن جن ستونو مین سیسہ پلا دیا گیا تھا اسکے پگھلنے سے وہ ستون بھی گر پڑے، یہ **مستعصم باللہ** کا زمانہ تھا، لوگون نے اُس کو اس واقعہ ہائلہ کی اطلاع دی تو اُس نے فوراً عراقی سوارون کے ساتھ کاریگر، اور آلات تعمیر روانہ کیے، اور سنہ ۶۵۵ھ کے اوائل مین تعمیر کا کام شروع کردیا گیا لیکن سنہ ۶۵۶ھ مین دفعتہً تاتاریون کا سیلاب اُٹھا اور بغداد، اور بغداد کی تمام شان و شوکت کو بہالے گیا، ایسی حالت مین خود خلیفہ

مستعصم کیا کر سکتا تھا؟

سلاطین مصر کا عہد

خلافت عباسیہ کے انقراض کے بعد مصر وشام وعرب پر ترکانِ مصر کی حکومت قائم ہوگئی تھی، عرب مین یمن ایک جداگانہ مستقل حکومت تھی، سلاطین مصر وشاہانِ یمن کی اعانت وتوجہ سے مسجد کی تعمیر کا کام بند نہ ہوا، بلکہ باب السلام سے لیکر باب الرحمہ تک، اور باب جبریل سے لے کر باب النساء تک تعمیر کا تمام کام مکمل ہوگیا، ٦٥٥ھ کے اخیر مین ظاہر رکن الدین بیبرس الصالحی نے مصر کی عنان حکومت اپنے ہاتھ مین لی، اور مسجد نبوی کی تعمیر کی طرف شدت سے توجہ کی، امیر جمال الدین محسن صالحی کے ساتھ ۵۳ کاریگر، آلات تعمیر، اور اُنکے مصارف روانہ کئے، اور برابر آلات واوزار، اور مصارف تعمیر سے اُنکی اعانت کرتا رہا، اس کے زمانے مین باب الرحمہ سے لیکر مسجد کے شمالی حصے تک، اور شمالی حصے سے باب النساء تک کی پوری چھت بن گئی، اور جسطرح آتشزدگی کے قبل تمام چھتین دوہری تھین، اُسیطرح شمالی چھت کے علاوہ تمام چھتین دوہری بنوائی گئین،

سنہ ٧٠٦ھ مین **ناصر** محمد بن قلاون نے شمالی چھت کی طرح مغربی اور شرقی چھتونکو بھی اکہری کروادیا، اسکے بعد سنہ ٧٢٩ھ مین اُسنے مسجد مین دو رواق کا اور بھی اضافہ کیا، کچھ دنون کے بعد اس رواق مین کوئی خرابی پیدا ہوئی سنہ ٨٣١ھ مین **اشرف** برسبائی نے انکی مرمت کروائی، اور شامی چھت کی بھی تجدید واصلاح کی، اُس کے بعد ظاہر جقمق نے سنہ ٨٥٣ھ مین مسجد کے اگلے حصے کی چھت کو نئے سرے سے تعمیر کروایا، اور اُس کے زمانے مین مسجد مین اور بہت سے تغیرات کیے گئے،

سنہ ٨٨٦ھ مین مسجد مین بجلی گرنے سے دوبارہ آگ لگی، بجلی پہلے منارۂ رئیسہ پر گری جس کے صدمہ سے منارہ پھٹ گیا، اس کا ہلال گر پڑا، شمس الدین بن خطیب رئیس المؤذنین اذان کہہ رہے تھے، ہلاک ہوگئے، اور منارے کے پاس جو چھت تھی اُس مین آگ لگ گئی، مسجد کے دروازے

کھولدیے گئے اور عام منادی کرادی گئی کہ "مسجد مین آگ لگی" تمام اہل مدینہ، اور امیر مدینہ قسیطل بن زہیر الحماری جمع ہوے اور جو لوگ بہادر تھے وہ پانی لیکر اوپر چڑھ گئے، لیکن آگ کے شعلے اس قدر تیز وبلند تھے کہ اُنکا بجھانا ان لوگون کی دسترس سے باہر تھا، مجبوراً بھاگے، اور اس دوڑ دھوپ مین تقریباً دس جانین نذر آتش ہوئین، مسجد مین جو کچھ ساز وسامان، عدۃ وآلات، کتب ومصاحف تھے سب کے سب خاک سیاہ ہوگئے، بہت سے ستون گر پڑے، بہت سے پھٹ گئے، منبر اور مصلے شریف کا صندوق جلگیا، لوگون نے سلطان وقت اشرف قایتبای کو اس واقعہ کی خبر کی اور مسجد کی صفائی اور ٹوٹی پھوٹی چیزون کے ہٹانے مین مصروف ہوگئے، مذہبی جوش کا یہ اثر تھا کہ امیر مدینہ، قضاۃ مدینہ، بچون، اور عورتون تک نے بھی اس کار خیر مین حصہ لیا، قاصد مصر پہنچا، اور اشرف **قایتبای** کو واقعہ کی خبر ہوئی تو اُس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ مکہ مین اُسکی جانب سے جو عمارتین تعمیر ہورہی تھین اُنکا کام یک لخت بند کروادیا، اور مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے سنقر جمال کے ساتھ سو کاریگر، بہت سے اونٹ گدھے، (جنپر مصالحہ وسامان لدا ہوگا) اور بیس ہزار اشرفیان روانہ کین، اور اس کے بعد اسقدر ساز وسامان فراہم کیا کہ تمام مدینہ مین ڈھیر لگ گیا،

اس کے بعد متولی شمس بن الزمن کے ساتھ ربیع الاول مین دوبارہ دوسو اونٹ، سو گدھے، اور تین سو سے زائد کاریگر روانہ کئے، اور برابر خشکی وتری کے راستہ سے اسباب ومصالح روانہ کرتا رہا، خود مدینہ کے اطراف وجہات سے صندل وغیرہ کے بہت سے درخت کٹواکر مسجد کے کام مین لگوائے، ان تمام ساز وسامان کے ساتھ مسجد تعمیر ہوئی، تو اسقدر تغیرات پیدا ہوئے کہ قدیم نقشہ گویا بالکل بدل گیا،

سلطان اشرف نے جس اہتمام ونفاست پسندی کے ساتھ مسجد تعمیر کروائی اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ جب اسکو معلوم ہوا کہ متولی عمارۃ کی تساہل وغفلت سے

بعض چھتون مین نیل کا رنگ لگایا گیا ہے تو اُس سے سخت ناراض ہوا، اور رنگ سازون کی ایک جماعت بھیجی کہ نیل کا رنگ مٹا کر لاجورد لگائین،

مسجد نبوی کی تعمیر کا کام ۸۸۸ھ مین ختم ہوگیا اور تقریبًا ایک لاکھ ۲۰ ہزار اشرفیان صرف ہُوئین، سلطان اشرف نے اسی سلسلہ مین ایک مدرسہ اور ایک خانقاہ بھی تعمیر کروائی، اور خانقاہ مین ایک عام مہمان خانہ قائم کیا، اور اُسپر اِس فیاضی کے ساتھ زمین و جائداد وقف کی کہ اُن سے ساڑھے سات ہزار اردب غلہ پیدا ہوتا تھا، اسی سال مقر اشرف بدری کے ساتھ بہت سی کتابین مدرسہ کے لیئے اور مہمان خانہ کے لیے بہت سا سامان، مثلًا دیگچیان، آٹا، اور غلہ وغیرہ روانہ کیا، مہمان خانے سے بڑے بوڑھے، آزاد غلام، مرد، عورت، جوان، بچے غرض سب کو ہر مہینہ مین سات اردب مصری غلہ ملتا تھا، اور جو لوگ باہر کے مسافر ہوتے تھے، اُنکو پکی پکائی دو روٹیان دی جاتی تھین،

۸۹۱ھ مین منارۂ رئیسہ پر دوبارہ بجلی گری، اور اس کا بہت سا حصہ گر پڑا، لیکن اُسی سال سلطان اشرف کے حکم سے مقر شجاعی نے اُسکی مرمت و اصلاح کر دی۔ سلطان قاتیبای کے بعد ۹۸۰ھ مین سلطان سلیم ثانی نے دوبارہ مسجد کو تعمیر کروایا،

اسکے بعد ۱۲۳۳ھ مین سلطان محمود نے پہلے ایک قبہ بنوایا، پھر ۱۲۵۵ھ مین سلطان عبد المجید خان نے نئے سرے سے مسجد کو تعمیر کروایا، اور اُس کے شمالی جانب مین اضافہ و توسیع کی، نہایت عمدہ نقش و نگار بنوائے اور در و دیوار پر مختلف سورتین، قصیدۂ بردہ، اور خدا کے اسماء نہایت عمدہ خط مین لکھوائے، تمام عمارت پر تقریبًا دس لاکھ پونڈ عثمانی صرف ہوئے[1] سلطان عبد المجید خان نے مسجد کا جو نقشہ قائم کر دیا تھا وہ اب تک قائم ہے، اِس کے بعد

[1] یہ تمام معلومات خلاصۃ الوفاء سے ماخوذ ہین،

سلطان عبد الحمید خان نے صرف برقی روشنی کا اضافہ کیا، جسکی ابتداء بتقریب افتتاح حجاز ریلوے ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ کو ہوئی،[1]

موجودہ حالت مین مسجد نبوی کے ملازمین کی تعداد تقریبًا ایک ہزار ہے، چنانچہ اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

نام عہدہ	تعداد	کیفیت
خطیب	۴۶	ان مین ہر شخص سال مین صرف ایک بار ایک
امام	۳۸	مقررہ ترتیب کے ساتھ خطبہ دیتا ہے، ان کے
مددگار امام	۶۲	بہت سے نائب بھی ہین، جو انکی عدم موجودگی
موذن	۵۰	مین انکی نیابت کرتے ہین،
مددگار موذن	۲۶	
جھاڑو دینے والے	۵۱	
دربان	۱۱	
سونار۔ درزی وغیرہ،	۲۶	
سقار	۱۰	
ملاّمین	۴	
عام ملازمین	۵۷۰	ان ملازمین کا کام تمام چیزونکا دھونا، صاف کرنا اور قندیل وغیرہ کی مرمت کرنا ہے،

ان ملازمین مین اکثر کو تنخواہ نہین ملتی، انکی معاش کا دارومدار زیادہ تر اہلِ کرم کی فیاضیون پر ہے،

[1] الرحلۃ الحجازیۃ، صفحہ ۲۴۵،

جو لوگ تنخواہ پاتے ہین، انکی بھی یہ حالت ہی کہ جب اُنکا انتقال ہوجاتا ہے تو اُنکی تنخواہ انکی تمام اولاد پر تقسیم ہوجاتی ہے اور انکی خدمت صرف خلف اکبر کو انجام دینی ہوتی ہے، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ تنخواہ کسی کی وجہ معاش کے لیے کافی نہین ہوتی[1]،

تمنے دیکھا! مسجد نبوی کس سادہ حالت مین تعمیر ہوئی تھی، اور رفتہ رفتہ تمدن نے اُس کو کس قالب مین ڈھال لیا، لیکن اس نقش ونگار، اس آب ورنگ، اِس آرایش وزینت نے مسجد نبوی کی اصلی مذہبی حیثیت پر پردے ڈال دیے ہین، اس لیے اگر ہم مسجد نبوی کے حدود مین روحانیت کا پتہ لگانا چاہین تو ہمکو پھر اُسی قدیم زمانے کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس مین مسجد نبوی مادی حیثیت سے چھپرون کا ایک مجموعہ تھی، ایسے چھپر جو ٹھیک طور پر مسجد کو آب و باران سے بھی محفوظ نہین رکھ سکتے تھے، لیکن محویت واستغراق کا وہ عالم انہی چھپرون کے سائے مین نظر آسکتا تھا جب آسمان سے متصل بارش کی جھڑی لگی ہوئی ہوتی تھی، اور اس مسجد کے مقدس بانی کا سر خداے قدوس کے آگے جھکا ہوا ہوتا تھا، اور آسمان سے ٹپکنے والے بارش کے قطرے، اور جیب ودامن سے لپٹنے والی زمین کی کیچڑ، اس کے خشوع وخضوع مین خلل انداز نہین ہوسکتی تھی،

سلطان عبدالحمید خان کی برقی روشنی نے مسجد نبوی کے گوشے گوشے کو آج منور کردیا ہوگا لیکن برق سر طور کے جلوے صرف اُنہی شعلون مین نظر آسکتے تھے جنکو صحابہ کرام کھجور کی شاخون سے بنا کر لاتے تھے، اور مسجد مین جلاتے تھے، بہرحال اب ہمکو مسجد نبوی مین سب کچھ ملسکتا ہی لیکن روحانی عالم نہین ملسکتا جسکی آبادی صرف جناب رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام کے وجود پاک سے قائم تھی۔

عبدالسلام ندوی

[1] الرحلۃ الحجازیۃ صفحہ ۲۴۲،

تشکیک سے مذہب کی تائید ہوتی ہے، یا مخالفت؟

محرّرہٗ: مسٹر عبدالماجد بی اے

منجملہ اُن چند الفاظ کے، جنکو ارباب مذہب نے ہمیشہ نفرت، عداوت، وخوف کی نگاہ سے دیکھا ہے، ایک لفظ **تشکیک یا لاادریت** بھی ہی، تشکیک، اُنکے نزدیک، مذہب کی سب سے قوی حریف ہے، متشککین کو انہون نے تحریکات دینی کا سب سے بڑا قاطع وبرباد کُن سمجھا ہے؛ اور لاادریت، ان کے لغت مین، ہمیشہ الحاد ودہریت کے مُرادف رہی ہی[1]- مذہبی حلقون مین یہ ایک قطعی ومسلّم راے ہے، لیکن واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہین؟ صفحاتِ ذیل مین اِسی سوال کا جواب ملیگا،

یہ مسئلہ درحقیقت، تین مختلف مسائل سے مُرکّب ہے، یعنی مذہب کیا ہی[1]، الحاد کیا ہی[2]؟ اور پھر تشکیک کا اِن دونون سے کیا تعلّق ہے؟ جب یہ مسائل بجاے خود منقح ہوجائین گے، تو پھر سوال مندرجہ عنوان کا حل ازخود ہوجائیگا، اور کسی مزید بحث کی گنجایش نہ رہے گی،

پہلا مسئلہ- مذہب کی ماہیت- مذہب کی صحیح ماہیت کے دریافت کرنے مین جو شے سب سے بڑھکر مانع ہوتی ہے، وہ مختلف مذاہب کا باہمی اختلاف، بلکہ تضاد ہے، اِس دقّت پر غالب آنے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف اُن خصوصیات کو پیشِ نظر رکھا جاے، جو تمام مذاہب مین مشترک ہین،

[1] چنانچہ گذشتہ صدی کے آخر مین، جبکہ ہکسلے لاادریت کی منادی کررہا تھا، انگلستان کے ایک نہایت نامور آرچ بشپ نے اپنے ایک مضمون مین صراحتاً یہ تحریر کیا، کہ ملاحدہ کو خود الحاد ودہریت کے انتساب سے عار آتا ہے، پس اس شرم وذلت سے بچنے کے لیے انھون نے اپنے واسطے لاادریت کا لقب اختراع کیا۔

اور صرف انھین مہمات عقاید سے سروکار رکھا جائے، جنھین ہر مذہب نے، باین تخالف و تباین۔ بطور بنیاد کار کے تسلیم کیا ہی۔ اس حیثیت سے مذہب پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اسکے عناصر ترکیبی حسب ذیل ہین:-

(۱) کسی ما فوق ادراک قوت یا ذات کا وجود، جو تمام عالم پر حاکم و متصرف ہی،

(۲) اِس فوق الادراک ہستی کی طرف سے انسانی زندگی کے ہدایات و احکام کا نزول، جسے وحی و الہام کہتے ہین،

(۳) ان احکام کی پابندی کی تاکید، اور انکی خلاف ورزی پر تعزیرات شدید کی وعید،

یہ مذہب کی تصریحات ہین، ان سے دو نہایت اہم تفریعات نکلتی ہین، جنکا مذہب نے خواہ کبھی صراحتہً دعویٰ نہ کیا ہو، لیکن انکا مفہوم، کلیات بالا کے پردہ مین لازمی طور پر شامل ہے، وہ تفریعات یہ ہین:

اوّلاً۔ یہ کہ انسان فاعل بارادہ ہے۔ افعال کی ذمہ داری کے معنی ہی یہ ہین کہ انسان ایک صاحب شعور و عقل مخلوق ہے۔

ثانیاً۔ یہ کہ انسانی عقل کا ایک محدود و مخصوص دائرہ عمل ہے جس سے اُسے کسی حالت مین قدم نہ نکالنا چاہیے، یعنی تکوین عالم کی علت، و امور معاد، وغیرہ عقل کی دسترس سے باہر ہین، ان معاملات مین انسان کی عملی زندگی کی رہنما، عقل نہین، بلکہ اعتقاد ہے،

ترتیب اہمیت کے لحاظ سے مذہب نے ہمیشہ ثانی الذکر تفریع کو اوّل الذکر پر مقدم رکھا ہے ادنےٰ درجہ کے مذاہب کا ذکر نہین، بڑے سے بڑے متمدن مذہب نے بھی جب کبھی کہا ہے تو یہی کہا ہے کہ عقل اگرچہ انسان کے حق مین ایک بڑی نعمت ہی، بااینہمہ اس کا دائرہ عمل، عالم ظاہری کی چند اُبھری باتون تک محدود ہے، اور یہ کہ کائنات کے دقیق اسرار اور حقائق اصلی کا انکشاف اعتقاد نامی ایک ما فوق العقل شے پر ہے، جس مین اگر عقل دست اندازی کرے، تو اسکا نام کفر ہی مسیحیت کے بڑے سے بڑے روشن خیال عالم سے جب یہ دریافت کیا جاتا ہے، کہ ایک کا تین، اور

تین کا ایک ہونا، کیونکر ممکن ہے؟ تو اسکے جواب مین وہ یہی کہتا ہے کہ یہ محض اعتقادی مسئلہ ہے، عقل و دلیل سے اس کا تعلق نہین، خود اسلام مین مومنون کی یہ شان بتائی گئی ہے کہ وہ ایمان بالغیب رکھتے ہین، اِس سے بڑھکر یہ کہ وہ جب کبھی دقائق فطرت، مثلاً ماہیت رُوح سے متعلق استفسار کرتے تھے، تو اِس ارشاد کے ساتھ کہ یہ ایک فرمان ایزدی ہے، اُنھین فوراً ہی یہ یاد دلا دیا جاتا تھا، کہ ان کا دائرۂ علم تو بہت ہی محدود ہے۔ اِسی طرح کفار کی اِس خصوصیت کو نمایان طور پر بتایا گیا ہے، کہ وہ لوگ ہر اُس بات کی تکذیب پر تیار ہو جاتے ہین، جو اُنکی عقل مین نہین آتی، حالانکہ یہ نہین جانتے کہ انکی عقلین تو بہت ہی نارسا ہین،

غرض مذہب کے اصل الاصول کو اگر دو لفظون مین بیان کرنا چاہین، تو کہہ سکتے ہین، کہ وہ وہ نظام زندگی ہے، جس مین اعمال انسانی پر اصلی حاکم و متصرف، عقل کو نہین، بلکہ اعتقاد کو قرار دیا گیا ہے،

(۲) الحاد۔ مذہب کے بالکل برعکس، الحاد نام ہے عقل پرستی کا۔ ملاحدہ کی طرف سے، ہر ملک و ہر زمانہ مین مذہب پر جسقدر اعتراضات ہوتے رہے ہین، ان سب کا ماحصل یہ ہے، کہ مذہب کی تعلیمات، چونکہ عقل کے مخالف ہین، اسلیے غلط، اور ناقابل قبول ہین، اٹھاروین صدی مین مذہب طبیعی، انیسوین صدی مین مادیت، اور آج عقلیت کے نام سے، الحاد کے جو مختلف مظاہر دنیا مین پیدا ہوتے رہے ہین، انکی خصوصیت مشترک یہ ہے کہ انکے علمبردار، صرف عقل کو اپنی زندگانی کا رہنما قرار دیتے ہین، اور بہ غایت بلند آہنگی دعویٰ کرتے ہین، کہ چونکہ مذہب عقل کی مخالفت کرتا ہے، اِسلیے قطعی ہے کہ یہ فنا ہو جائے گا، چنانچہ اٹھاروین صدی مین جن لوگون نے الحاد کا اسکول قائم کیا تھا انہون نے اس کا نام "Religion of Reason" یعنی "مذہب عقلی" رکھا تھا، اور اُس وقت کے مشہور ترین منکر مذہب ٹامس پین نے مذہب کے رد مین جو کتاب لکھی،

اس کا نام بھی Age of Reason یعنی "عہد عقلی" یا "دورِ عقلی" رکھا، پھر آجکل بھی جسقدر مشاہیر ملاحدہ ومنکرین مذہب ہین، وہ سب اپنے تئین "Rationalists" یعنی "عقلیئن" کہتے ہین، اور لندن مین ان لوگون کی جو بہت بڑی مرکزی انجمن، تقریبًا ۵۰ سال سے قائم ہے، اس کا نام بھی Rationalist Association یعنی "انجمن عقلیت" ہے، خود ہندوستانی ملاحدہ مین اس وقت جو مذہب وعقلیت کے درمیان تقابُل قائم کیا جا رہا ہی، وہ اِسی یوروپین عقل پرستی کی صداے بازگشت ہے،

تیسرا مسئلہ، "تشکیک" اب دیکھنا یہ ہی، کہ تشکیک ولاادریت، جو تقریبًا ہر زمانہ مین محققین کی ایک جماعت کثیر کا مسلک رہی ہی، اور جس کے مشاہیر ارکان، قدماے یونان مین پرہو، کارنیڈس، آرسیسلادس، سِکسٹس، اور یوروپ مین ہیوم، کینٹ، اسپنسر، ہکسلے، و، ڈارون ہوئے ہین، اُس سے مذہب کی تائید ہوتی ہے، یا الحاد کی؟ اس کا حل ایک دوسرے سوال پر موقوف ہے، یعنی تشکیک کی ماہیت کیا ہی؟

قدماء مشککین یونان کی تصانیف آج موجود نہین، لیکن متاخرین نے جو کچھ اُنکے بارہ مین لکھا ہے اُس سے انکے متعلق حسب ذیل معلومات حاصل ہوتے ہین:-

"حقایق اشیاء مجہول ہین، انسان کو اتنا تو بلا شبہہ معلوم ہوتا ہے کہ مظاہر طبعی کیا ہین، لیکن کسی شی کی اصل حقیقت یا ماہیت کا اُسے مطلق نہین علم حاصل ہو سکتا، انسانی معلومات جسقدر بھی ہون، یا تو محسوسات ہونگے، اور یا محسوسات سے ماخوذ ہون گے، شق اوّل مین، چونکہ ہر انسان کے حواس دوسرے سے مختلف ہوتے ہین، اِس لیے محسوسات کے علم کا اضافی ہونا، اور ہر شخص کے لیے انکا مختلف ہونا ظاہر ہے، اور شق دوم مین بھی وہ اِس لیے اضافی ہونگے، کہ انسان متفاوت العقول ہوتے ہین اور ہر شخص کی عقل اُس تربیت اور ماحول کا نتیجہ ہوتی ہی جس مین وہ

نشو ونما پاتا ہے، پس اُسکے پاس اصل حقیقت کی دریافت کا کوئی ذریعہ نہین، خواص وکیفیات اشیاء کے متعلق ہمنے جو رائین قایم کی ہین، اُن مین سے ہر ایک کی، مساوی قوت کے ساتھ تردید وتائید کیجا سکتی ہے، جن چیزون کو محاسن اخلاق سمجھا جاتا ہے اُنکی حمایت وموافقت پر جس قدر دلائل قایم ہو سکتے ہین، اُسیقدر اُنکی مخالفت پر بھی قایم کیے جا سکتے ہین، ایسی حالت مین، فطری حیثیت سے انسان کے پاس امتیاز حق وباطل کا کوئی ذریعہ نہین، البتہ یہ ضرور ہے کہ عملی ضروریات کے لحاظ سے بادی النظر مین اشیاء کے خواص وکیفیات کا ایک پہلو اُنکے دوسرے پہلو کے مقابلہ مین راجح ہوتا ہے، اور عمل کے لیے اسیقدر راجحیت ومرجوحیت کافی ہے[1]"

ڈیوڈ ہیوم، نے جو تشکیک جدید کا ابو الآباء ہوا ہے، اپنی متعدد تصانیف مین جن خیالات کی اشاعت کی ہے اُنکا ماحصل یہ ہی:-

"فلاسفہ والٰہئین اپنا سارا زور اسپر صرف کرتے ہین، کہ مختلف اشیاء عالم کے درمیان رشتۂ علت ومعلول دریافت کرین، لیکن مزید غور سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ نسبتِ تعلیل، جسپر سارے نظام فلسفہ کی بنیاد ہے ایک وہمی وبے حقیقت شے ہے، ہم کسی شے کے معلول ہونے کے یہ معنی لیتے ہین، کہ جب ایک خاص واقعہ (جسکا نام ہمنے علت رکھا ہے) ظاہر ہوگا، تو یہ دوسرا واقعہ بھی لازمی طور پر ظاہر ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ اس لزوم کی کیا دلیل ہے؟ یہ ہم کس بنا پر کہہ سکتے ہین کہ جب ایک شے واقع ہوگی، تو دوسری

[1] قدماء مشککین کے اِن خیالات کا خاص ماخذ، دیوجانس ردمی کی کتاب "حکماء قدیم کے خیالات اور سوانح" Diogenes "Lives & opinion of Ancient philosophers" ہے، اسکے علاوہ یہ حالات تاریخ وفلسفہ کی عام کتابون، خصوصًا، ویبر، لوئیس، جانٹ وغیرہ کی تصانیف مین تفصیل سے ملتے ہین، ڈاکٹر فیلینٹ، مشہور مسیحی عالم نے (جنکی تصانیف یونیورسٹیون کے بی اے - و ایم اے کے نصاب مین داخل ہین) "لاادریت" کے عنوان سے، جو ۶۰۰ صفحہ کی مبسوط کتاب تیار کی ہی، اُس کے ابتدائی اجزا مین بھی تشکیک قدیم کی تاریخ کے متعلق مفصل معلومات مندرج ہین،

بھی لازمی طور پر واقع ہوگی؟ ظاہر ہے کہ اس کے جواب مین کوئی دلیل پیش نہین کی جاسکتی، بلکہ اسکی بنیاد صرف ہماری ایک ذہنی عادت پر ہے، جب ہم دس بیس بار یہ مشاہدہ کر چکتے ہین کہ آگ کے روشن ہونے کے ساتھ ہی ہمین گرمی محسوس ہوئی، تو ہمارا ذہن، اس توقع کا ایک طرح پر عادی وخوگر ہوجاتا ہے، کہ آئندہ جب کبھی آگ روشن ہوگی، تو ہمیشہ گرمی پیدا ہوگی۔ بس اس عادت کے سوا اور کوئی بنیاد، تعلیل کی ہمارے پاس نہین، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ ہم عقل و دلیل کی بنا پر کسی شے پر پورا اعتماد نہین کر سکتے، اس کے علاوہ ہمارے تمام دلائل تحلیل ہوکر اولیات پر ٹھہرتے ہین، جنھین ہم نے شروع ہی سے مُسلّم فرض کر لیا ہے، لیکن خود انکی صحت کی کیا ذمہ داری ہے؟ اِس بنا پر، ہمین نظری حیثیت سے، یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہمین کسی حقیقت کا علم نہین ہو سکتا، بلکہ ہمارے معلومات تمامتر اضافیات پر مشتمل ہین، لیکن اسی کے ساتھ انسان فطرتاً عمل پسند واقع ہوا ہے کچھ نہ کچھ کرتے رہنا، ایک شے کو ترک، اور دوسرے کو اختیار کرنا اُسکی فطرت مین داخل ہی جس سے وہ بچ ہی نہین سکتا۔ اِن حالات کے ساتھ، انسان کی سی متناقض الفطرت ہستی کے لیے بہترین صورت یہ ہی کہ وہ باوجود اس یقین کے کہ حقائق اشیاء اس کے لیے ناقابلِ ادراک ہین، اپنے تئین سوسائٹی کے احکام واوامر پر چھوڑ دے، اور جو رسم ورواج اپنے گرد وپیش دیکھے، عمل کے لیے اُنھین کو اختیار کرتا رہے،

کینٹ کی جسکا وہی مرتبہ فلاسفۂ یورپ مین ہے، جو یونانیون مین فلاطون کا تھا، دو تصانیف خصوصیت کے ساتھ مشہور ہین۔ ایک "عقل مُجرّد" (Pure Reason) پر ہے، اس مین وہ نفس بشری کی محققانہ تحلیل اور انسانی معلومات پر شرح وبسط سے بحث کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہی کہ انسان کے لیے ماہیت اشیا، کا علم ناممکن ہے، اور اسرار کائنات کی عقدہ کشائی کے جب وہ درپے ہوا، تو ہمیشہ ناکامی وگمراہی اُسکے نصیب مین رہی، چنانچہ وجود باری، وجود روح، حیات بعد الموت، جو الٰہیات کے مہمات مسائل ہین، اُن پر اگر خالص عقلی واستدلالی حیثیت سے نظر کیجائے، تو انکی نفی واثبات دونون پر مساوی درجہ کے شواہد ملتے ہین، اسیطرح جتنے مباحث ماہیت اشیاء سے متعلق ہین اُن سبکی یہ کیفیت ہی کہ انسان اُن پر جس قدر زیادہ غور وفکر کرتا ہے، اُسی قدر وہ اور زیادہ غامض، سربستہ ولاینحل ہوتے جاتے ہین، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو عقلی حیثیت سے کسی مسئلہ کی کُنہ پر یقیناً یا اثباتاً کوئی حکم لگانے کا حق نہین۔ لیکن حیات نظری کے علاوہ انسان، حیات عملی بھی رکھتا ہے، جس سے متعلق کینٹ اپنی دوسری کتاب "عقل عملی" (Practical Reason.) مین بالتفصیل بحث کرکے یہ نتیجہ نکالتا ہے، کہ جن مسائل غامضہ کے حل کرنے مین ہمارے قوائے مفکرہ ناکام رہتے ہین، وہ بالآخر ہمارے قوائے عملیہ کی مدد سے صاف ہوجاتے ہین، اور خدا، روح، وحیات بعد الموت کے وجود کو، جسکی طرف سے ہم عقلاً واستدلالاً مایوس ہو چکے تھے انھین ہمین اپنی عملی ضروریات کے لحاظ سے اعتقاداً لامحالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہیئت اجتماعیہ کی بہبود، نظام اخلاق کی بقا، افراد کا سکونِ خاطر، شیرازۂ عمرانی کی جمعیت، سب ان تین ہستیون کے صحیح تسلیم کرنے کے ساتھ وابستہ ہے[1]،

اسکے بعد انیسوین صدی کے رہبران لاادریت مین سب سے زیادہ ممتاز اسپنسر وہکسلے گزرے ہین، جنکے عقب مین **ڈارون، ٹنڈل، مِل، مارلی** وغیرہ متعدد مشاہیر عصر کے نام بھی نظر آتے ہین، ان لوگون کے عقاید، اگرچہ تفصیلات مین باہم خود مختلف ومتناقض ہین، لیکن اصولاً واجمالاً کینٹ وہیوم کی صدائے بازگشت ہین، یعنی اسقدر ان سب کو مُسلّم ہے کہ حقایق اشیاء کا علم، حواس وعقل کے ذریعہ نہین ہوتا، البتہ یومیہ زندگی کی عملی ضروریات کے لحاظ سے ہمین مظاہر طبعی پر پورا اعتماد رکھنا چاہیے، اور جہان عقل کی دسترس نہین، وہان اعتقاد کا سہارا ڈھونڈھنا چاہیے،

[1] کینٹ کی تحقیقات کے صرف نتائج یہان درج کیے گئے ہین، ورنہ اسکے دلائل وشواہد کا اگر اختصار کے ساتھ بھی خلاصہ کیا جاتا تو دو ایک جزو سے کم مین ان کی گنجایش نہ تھی، عبد الماجد

بیانات بالا سے تشکیک کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئے، انکا ماحصل ہم دفعہ وار درج ذیل کرتے ہین، اور اُنکے مقابلہ مین مذہب کی تائید یا تردید بھی دکھاتے ہین؛:-

تشکیک کی تعلیم	مذہب کی ہدایت
۱- حقایق اشیاء انسان کی نظر سے مجہول ہین۔ انسان کی معلومات کائنات کے اوپری سطحی حصّہ تک محدود ہین،	مذہب اسکو بہ لسان تمثیلی یون کہتا ہے کہ آدم کو صرف "اسماء" بتائے گئے، ماہیت اشیاء کے علم کا مذہب نے کبھی دعویٰ نہین کیا،
۲- اصل حقیقت کے لحاظ سے یہ کوئی شخص نہین فیصلہ کرسکتا، کہ راہِ حق پر کون ہی مختلف اشخاص اپنے گرد و پیش کے رسم و رواج مین گرفتار ہین، کہ یہی طریقہ اُنکے لیے آسان و قابل عمل ہی،	مذہب کہتا ہی:- کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلاً
۳- بیشمار چیزین عقل کی دسترس سے باہر ہین، اسلیے عقل کو ہر شے کی واقفیت و غیر واقفیت یا صدق و کذب کا معیار قرار دینا خود ہماری نادانی ہی،	بالکل یہی ہدایت مذہب نے بارہا کی ہی،
۴- ہیئت اجتماعیہ بلکہ خود انسانی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے اصل لازمی شے عقلی دلائل و براہین نہین، بلکہ مستحکم معتقدات ہین،	مذہب کا دار و مدار اسی اصول پر ہے،
۵- عقاید و آراء مین بیحد اختلاف کا باعث یہ ہی کہ مختلف افراد خود اپنی فطرت کے لحاظ سے باہم بالکل متباین ہین،	مذہب نے اس اختلاف خلقت پر بار بار زور دیا ہی کہین کہا انظر کیف فضلنا بعضھم علی بعض اور کہین کہا ہی کہ اگر مشیت ایزدی ہوتی تو سب انسان یکسان پیدا کیے جاتے مگر ایسا نہین کیا گیا، اور اسلیے انمین اختلاف باہمی کا سلسلہ غیر منقطع قایم رہے گا،

اس قدر اصولی اتحاد کے بعد، مذہب و لاادریت مین جو فرق رہ جاتا ہے، کہہ سکتے ہین کہ وہ صرف طرز تعبیر و پیرایہ ادا کا ہے؛

مَعارف :-

"ہمارے دوست نے مذہب اور فلسفۂ تشکیک کے باہمی حدود قرب و اتصال کے متعلق صفحات کے جو دفعات مرتب کیے ہین غالباً انکی تسلیم مین فریقین مین کسیکو عذر نہوگا لیکن ہم صرف ایک دفعہ کا اضافہ اور چاہتے ہین تشکیک کا قدم یہین آکر رک جاتا ہے کہ عقل انسانی حقائق کے علم سے قاصر ہے، لیکن **مذہب** اس سے ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہے، کہ ہم حقایق کے علم سے عاجز ہین، لیکن ایک اور مافوق ذات ہی جو ان حقایق کی خالق، اور عالم ہے، اور ہماری عقل و قوت کا قصور ہی اُس کامل العقل والقویٰ ذات کے وجود کی دلیل ہے، متشککین کو اگر اس حقیقت مین بھی تزلزل ہی اور اُنکو اُنکے اصول کے مطابق ہونا چاہیے، تو ہم کہین گے،

وہی پر گر پڑا کبوتر کا — جس مین نامہ بندھا تھا دلبر کا

لفظ "دلیل" کو سنکر انکو مضطرب نہونا چاہیے، ورنہ اپنی تشکیک مین بھی انکو تشکیک چاہیے، اس طائفہ عالیہ مین سنا ہی اس رتبہ کے لوگ بھی موجود ہین

جس نے تجکو پایا۔ وہ آپ سے کھو یا گیا

لاہور کا مشہور فارسی شاعر

مسعود سعد سلمان

(۲)

ترجمہ: پروفیسر عبدالقادر ایم اے

مسعود کا زمانہ مسعود کے دیوان مین خاندان غزنوی کے ان پانچ سلطانون کی مدح مین قصاید ملتے ہین

(۱) سلطان ابو المظفر ظہیر الدولہ رضی الدین ابراہیم بن مسعود بن محمود بن سبکتگین جنے بیالیس سال تک سلطنت کی، ۴۵۰ ہجری سے ۴۹۲ تک (۱۰۵۸-۱۰۹۹ عیسوی)

(۲) سلطان علاء الدولہ مسعود بن ابراہیم (۴۹۲-۵۰۸ ہجری- ۱۰۹۹-۱۱۱۴ عیسوی)

(۳) عضد الدولہ شیرزاد بن مسعود بن ابراہیم (۵۰۸-۵۰۹ ہجری = ۱۱۱۴-۱۱۱۵ عیسوی)

(۴) ابو الملوک ارسلان شاہ بن مسعود بن ابراہیم (۵۰۹-۵۱۱ ہجری = ۱۱۱۵-۱۱۱۷ عیسوی)

(۵) سلطان غازی یمین الدولہ بہرام شاہ بن مسعود بن ابراہیم (۵۱۱-۵۵۲ ہجری = ۱۱۱۷-[illegible]

صحیح ترین اقوال کے مطابق[1])

[1] مسعود کے دیوان مین ایک خسرو ملک کی تعریف مین بھی نظمین ہین، اور پہلی نظر مین یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ غزنین کا آخری بادشاہ خسرو ملک منظور ہے۔ لیکن اگر ہم مسعود کی تاریخ وفات اور خسرو ملک کی تاریخ وفات کا مقابلہ کرین تو یہ خیال فوراً زائل ہوجاتا ہے۔ مسعود ۵۱۵ ہجری = ۱۱۲۱-۲۲ عیسوی مین گذرا، اور خسرو ملک کا انتقال [illegible] ہجری = ۱۱۹۱ عیسوی مین ہوا، اور یہ خسرو ملک، ملک ارسلان کا بیٹا ہے جیسا مسعود اسکی تعریف کے ایک قصیدہ مین کہتا ہے:-

بقاے دولتِ عالی کہ در جہان شرف — ببلاغ ملک چو خسرو ملک نشاند نہال

ہلال ملک است این پادشاہ زادہ وباد — براوج شاہی این زہر کسوف و زوال

سلطان ابراہیم اور بہرام شاہ دونون نے بہت دن تک سلطنت کی ہے، اِس لیے یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ مسعود سعد سلمان اوّل الذکر کے ابتداے عہد سلطنت سے موخر الذکر کے اخیر زمانہ حکمرانی تک زندہ رہا ہو، کیونکہ اس حالت مین ایک صدی سے زیادہ کا زمانہ ہمکو فرض کرنا پڑیگا، خوش بختی سے مجھکو اُسکی نظمون مین دو وصاف اور دو ضمنی اشارے ایسے ملے جو اُس کے شروع اور اخیر زمانے پر دلالت کرتے ہین، اور اُسکی عمر کے حدود واضح طور پر قایم کرتے ہین، جنکو اب مین مفصل بیان کرتا ہون،

اس مضمون کے اوپر کے ایک حصّہ مین بتلایا گیا ہے کہ مسعود سعد سلمان ہندوستان مین پیدا ہوا، اور اُس نے وہین پرورش پائی، اور چونکہ ہندوستان کے کاروبار اور اُس ملک کے فتوحات اور چڑھائیان سلطان ابراہیم نے اپنے تمام بیٹون سے جو ارشد اور قابل ترین اور بظاہر ولیعہد تھا یعنی سیف الدولہ عز الملۃ ابو القاسم محمود صنیع امیر المومنین[2] کے حوالے کر رکھی تھین اسلیے مسعود سعد سلمان نے اس شہزادہ کے دربار سے ایک ندیم اور مدّاح کی حیثیت سے تعلق پیدا کیا اور اُس کے دربار کے خاص مقربین اور متصلین مین داخل ہوا، اور جیسا کہ مشہور ہے سیف الدولہ کے بہت سے مفتوحات اور بے شمار کارنامہاے شجاعت وبہادری کے بعد

[2] یہ تمام القاب سرکاری تھے، اور صرف تعریفی اور خوشامدی نہ تھے "عز الملۃ" اور "صنیع امیر المومنین" کے القاب اُسکو خاص دار الحکومت بغداد سے ملے تھے، یا القائم یا المقتدی بامر اللہ کی طرف سے، اور ہر ایک کے لیے ایک ایک قصیدہ لکھا ہے یہ دونون قصیدے اسکے دیوان مین موجود ہین ایک مین وہ کہتا ہے:-

خواندہ صنیع خود امیر المومنین — ہمچنین باد اجلالت برزیادت ہمچنین

سیف دولت مر ترا زین پیشتر بودہ لقب — عز ملت را برافزون کرد امیر المومنین

اور جاے دیگر کہتا ہے:-

صنیع خویشتن خواند امیر المومنین او را — شدہ امکان او افزون کہ بارش بر فزون امکان

اس کے باپ نے اس کے بہادرانہ خدمات کے عوض مین بطور انعام کے اُسکو سنہ ۴۶۹ ہجری (۱۰۷۶ء) مین تمام ہندوستان کا حاکم مقرر کیا، اور اس کا مرتبہ اور درجہ بڑھا دیا، اور اُس کے لیے غزنین سے خلعت فاخرہ، گھوڑے، اور مرصع ہتیار، روانہ کیے، اِس موقع پر متعدد شعرا نے قصائد تہنیت لکھے مسعود نے بھی اس موقع پر ایک پُر زور قصیدہ لکھا، جسکے چند ابتدائی شعر یہ ہین،

چو روی چرخ شد از صبح چون صحیفۂ سیم
ز قصر شاہ مرا مژدہ داد باد نسیم

کہ عز ملت محمود سیف دولت را
ابو المظفر سلطان معظم ابراہیم

بنام فرخ او کرد خطبہ در ہمہ ہند
نہاد بر سر اقبالش از شرف دیہیم

یکے ستام مرصع بگوہرا لوان
"علی جواد کا نجم بہ نیل بہیم"

خجستہ باد ابر شاہ خلعت سلطان
بکامگاری بر تخت ملک باد مقیم

چند اشعار کے بعد وہ کہتا ہے

منجمان ہمہ گفتند کین دلیل کند
بحکم زیج بتانی[۱] کہ ہست در تقویم

کہ دیر و زود خطیبان کنند بر منبر
بنام سیف دُول خطبہای ہفت اقلیم

بسال پنجہ ازین پیش گفت بو ریحان
در آن کتاب کہ کردہ است نام او تفہیم[۲]

کہ پادشاہی صاحبقران شود بجہان
چو سال ہجرت بگذشت تی و ہپن سہ جیم

تفہیم کا جو قلمی نسخہ برٹش میوزم مین موجود ہے اُس مین مجھکو ابوریحان کی یہ پیشین گوئی نہین ملی، مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسعود کا مقصد ابو ریحان البیرونی جیسے مستند شخص کے حوالے

[۱] یعنی محمد جابر بن سنان الصابی الحرانی البتانی جنے سنہ ۳۱۸ھ ۹۲۹ء مین وفات پائی اور جو مشہور مہندس دان اور علم ہیئت کا ماہر تھا، اس شعر مین البتانی کی تشدید وزن کی غرض سے دور کردی گئی ہے،

[۲] تفہیم علم نجوم مین ابوریحان کی ایک تصنیف ہے، یہ کتاب برٹش میوزم مین موجود ہے۔ دیکھو ریو کی فہرست صفحہ ۴۵۱-۴۵۲

(کہ جسکا شہرہ مشرق سے مغرب تک پھیل چکا تھا، اور جسکو خاندان غزنویہ سے خاص طور پر تعلق تھا کیونکہ اُسنے غزنین مین کئی کتابین تصنیف کین، اور شاہی خاندان کے شہزادون کے نام سے منسوب کین،) اپنے قول کو تقویت دینے کا تھا، اور تفہیم کے ذکر سے کوئی خصوصیت مطلوب نہین، کہ وہ علم ہیئت کا ایک ابتدائی رسالہ ہے، اور ایسا نہین کہ اس مین آیندہ کی پیشین گوئیان موجود ہون، اور چونکہ تفہیم کی تصنیف سنہ ۴۲۰ھ (۱۰۲۹ء) مین ہوئی اور اِس وقت سے اُسوقت تک جب سیف الدولہ ہندوستان کا حاکم مقرر ہوا یعنی سنہ ۴۶۹ھ (۱۰۷۶ء) تک ایک کم پچاس سال کا عرصہ ہوا۔ اِسلیے "بسال پنجہ ازین پیش" سے مراد لفظی ہے، نہ مجازی،

اس کے ایک قصیدے سے ایک دوسری تاریخ بھی نکل سکتی ہے گو اس کا ذکر بالتصریح نہین کیا گیا، اور یہ ضمنی تاریخ مذکورۂ بالا تاریخ سے دو یا تین سال پیشتر کا زمانہ بتلاتی ہے وہ بیت جس سے یہ ضمنی تاریخ مستنبط ہو سکتی ہے، سیف الدولہ محمود کے ایک مدحیہ قصیدے مین واقع ہے جسکا مطلع یہ ہے:-

مگر مشاطۂ بستان شدند باد و سحاب
کہ این ببستش پیرایہ وآن کشاد نقاب

اور وہ بیت یہ ہے:-

خجستہ بادت نوروز و این چنین نوروز
ہزار حیف شدہ با مہ رجب دریاب

اب نوروز کا دن رجب کے مہینے مین اِن تین متواتر سنون مین پڑا ہے ۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷ ہجری، (۱۰۷۳-۱۰۷۵ء)[۱] لہذا ہمارے شاعر نے اس قصیدے کو ان تین سنون مین سے ایک مین ضرور

[۱] یعنی اس بنا پر کہ یہ قصیدہ سیف الدولہ ہی کی مدح مین لکھا گیا ہی ورنہ نوروز (مارچ ۲۱، اعتدال ربیعی) ماہ رجب مین اِن سنون مین بھی آیا ہے ۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳ ہجری (۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲ عیسوی) اور پھر ۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰ ہجری (۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷ عیسوی) مین بھی۔ مگر پہلے دورے مین غالبًا وہ پیدا ہی نہین ہوا تھا۔ اور دوسرے مین شاید وہ مر گیا تھا۔ یا معزول کیا گیا تھا یا اوٹ لیا گیا تھا۔ اور مسعود نے جب سے سنہ ۴۸۰ھ (۱۰۸۷-۸ء) مین سیف الدولہ کے باعث مقید ہوا تب سے پھر دوبارہ اس کا ذکر تک نہین کیا۔

تصنیف کیا ہوگا، ان تمام باتون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسعود سعد سلمان کا پہلا ظہور یا تو ۴۶۵ھ مین یا اس کے بعد ہوا ہوگا،

مسعود سعد سلمان کے زمانۂ آخر کی حد معتبر کرنے کے لیے وہ خود ایک تاریخ صاف طور پر پیش کرتا ہے یعنی ارسلان بن مسعود بن ابراہیم کی تاجپوشی جسکا سن اور مہینہ اور روز تک اس نے ذکر کیا ہے،

بعون ایزد شش روز رفتہ از شوال	بر آمد از فلک دولت آفتاب کمال
چہارشنبہ بود چہار گوشۂ تخت	گرفت نصرت و تائید و دولت و اقبال
گذشتہ پانصد و نہ سال تازی از ہجرت[1]	زہے مبارک ماہ و زہے مبارک سال
جہان بعدل بیاراست آن بزرگ ملک	کہ دین و دولت از او یافتہ است فر و جمال
ابوالملوک ملک ارسلان بن مسعود	کہ بحر کوہ وقارست و کوہ بحر نوال

اور اُس کے بعض قصائد سے ایک اور تاریخ نکل سکتی ہے جو گو کہ صاف طور پر مذکور نہین۔ مگر مذکورۂ بالا تاریخ سے کم سے کم تین سال بعد آتی ہے یعنی ۵۰۹ھ (۱۱۱۶ء) جن قصیدون کا اس وقت ذکر ہے وہ بہرام شاہ کی مدح مین ہین، لہذا فی الحقیقت مسعود کم سے کم تین سال بعد تک زندہ رہا ہی یعنی ۵۱۱ھ تک جس سنہ مین بہرام شاہ نے تخت سلطنت پر جلوس فرمایا گو اس کے بعد وہ اور کتنے دن تک زندہ رہا ہمکو یقیناً معلوم نہین،

علی قلی خان داغستانی نے ریاض الشعرا مین، سید غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین، اور رضا قلی خان نے مجمع الفصحا مین چہار مقالہ کی سند پر لکھا ہی کہ مسعود سعد سلمان

[1] یہ تاریخ یعنی چہارشنبہ شوال ۵۰۹ ہجری۔ مطابق چہارشنبہ فروری ۱۱۱۶ عیسوی ہی۔

۵۱۵ھ (۲-۱۱۲۱ء) تک زندہ تھا[1]، اور یہ قیاس اتنا ممکن اور قرین عقل ہی کہ وہ باور ہو سکتا ہی۔ لیکن تقی کاشی اور دوسرے سوانح نگارون نے اسکی تاریخ وفات ۵۲۵ ہجری (۱۱۳۱ء) قرار دی ہی۔ گو اسکا احتمال ہو سکتا ہے، مگر کم ممکن ہے،

مسعود کی عمر کے مختلف دور،

دور اول: عہد راحت ۴۴۰ھ۔ ۴۸۰ھ (۱۰۴۸ء تا ۱۰۸۸ء)

مسعود کی عمر کا پہلا حصّہ جو خوشحالی اور راحت کا زمانہ ہے ۴۴۰ھ سے ۴۸۰ھ تک (۱۰۴۸ء سے ۱۰۸۸ء تک) ہے، اس مدت مین وہ اکثر لاہور اور ہندوستان کے دوسرے شہرون مین اور گاہے بگاہے غزنین مین بھی رہتا تھا، اور اس کا تعلق سیف الدولہ محمود حاکم ہندوستان کے دربار کے ساتھ تھا۔ بزم مین وہ اس کا ندیم و ہمدم تھا، اور رزم مین اسکی فوج کا ایک بہادر سردار، محمود کے اکثر فتوحات اور مواقع جنگ مین اسکی رفاقت کی، جسطرح میدان سخنوری مین وہ بقول خود، اپنے وقت کا رودکی اور ابن ہانی (ابونواس) تھا، اسیطرح میدان جنگ مین وہ اپنے زمانہ کا رستم اور عنترہ[2] تھا، اور اسکی فیاضانہ سخاوت اسکے ہمعصر شعرا نے اسکی مدح مین جو قصیدے لکھے ہین ان سے ظاہر ہے، میدان جنگ مین جو شجاعت اس سے ظاہر ہوتی تھی اسکا وہ خود اکثر ذکر کرتا ہی، چنانچہ اُس قصیدے مین جو اُس نے قید خانے مین لکھا ہی، کہتا ہی،

تا مرا بود بر ولایت دست	بودم ایزد پرست و شاہ پرست
امر شہ را و حکم اللہ را	نہ بدادم بہیچ وقت از دست
دل بغزوہ بشغل داشتمے	دشمنان را از آن ہمی دل خست
چون بکفار می نہادم روے	بس کس از تیغ من ہمی بو نرست

[1] بریان برٹش میوزم کے دو قلمی نسخون مین سے ایک مین بھی نہین ملتا۔ اور اسیطرح طہران کے پتھر کے چھپے ہوے نسخے مین بھی نہین جو قسطنطنیہ کے قلمی نسخے سے پروفیسر براون کے لیے نقل کیا گیا۔ گو دوسرے نسخون مین ضرور موجود ہونا چاہیے۔

[2] عرب کا مشہور بہادر۔

بیکے حملۂ من افتادی سہ — جل دشمن زشش ہزار شست

مگر از زخم تیغ من آہن — حلقہ گشت و رزخم تیغ بجست

آمد اکنون دو پاے من بگرفت — خویشتن درحمایتم پیوست

ایسا ہی ایک دوسرے حبسیہ قصیدہ مین کہتا ہے :-

نہ زمن جست ہیچ شیر و پلنگ — نہ زمن رست ہیچ بیشہ و غار

گہ مرا باد بود زیر عنان — گہ مرا ابر بود جفت مہار

کشان را زمن سبک شد دل — دستہا را زمن گران شد بار

کند شد مرگ را زمن وندان — تیز شد رزم را زمن بازار

باز نشناخت ہیچ وقت ہمی — وشمنم روز روشن از شب تار

آن ہمہ شد کنون مرا یکی است — بر سر کوہ درمیانۂ غار

اُس کے بہادرانہ کارنامون کے ثبوت مین اسیطرح اور بہت سے اشعار اُس کے دیوان مین ملتے ہین وہ تمام قصائد جو اُسنے سیف الدولہ محمود کی مدح مین، اسکے ہندوستان کے فتوحات اور حملون کے ذکر اور شجاعانہ کارنامون کی تعریف مین، اور اسیطرح ان القاب اور تشریفات اور ترقیات کی مبارکبادی مین جو اس کو غزنین اور بغداد سے آتے تھے، اِسی زمانہ کے لکھے ہوئے ہین، تعجب کی بات ہے کہ تاریخون مین سیف الدولہ محمود کی زندگی کے حالات اور اس کے عظیم الشان فتوحات کا ذکر موجود نہین، اگر مسعود سعد اور ابو الفرج رونی کے قصائد موجود نہوتے تو وہ واقعات بالکل فراموش ہوجاتے، اور ان کا صفحہ عالم پر کوئی نشان بھی باقی نہ رہتا۔

وتری ثناء الرود ثی مخلداً

مرکل ما جمعت بنو ساسان

عربی رسم الخط

۲

از مولوی حاجی معین الدین ندوی رفیق دار المصنفین

پہلے نمبر مین عام حیثیت سے نفس رسم الخط کی اجمالی تاریخ بیان کی گئی تھی لیکن ہمارا مقصود اصلی عربی رسم الخط ہے، جو اسلام کی وحی آلہی کا حامل اور اُس کا ترجمان ہے۔ اس مذہبی حیثیت کے علاوہ قومی حیثیت سے بھی ہم کبھی اُس سے بے نیاز نہین ہو سکتے، ہمارے اسلاف کا تمام سرمایہ اسی خزانہ مین مدفون ہے، فقہاء ومفسرین کے درر غرر محدثین عظام کے زر و جواہر۔ حکماے اسلام کے لعل وگہر اور شعرا کے جواہر پارے اسی کیسۂ پارینہ مین دستیاب ہو سکتے ہین،

عربی رسم الخط نے اپنی مذہبی عظمت وجلال کے باعث دنیا مین عظیم الشان انقلاب پیدا کیا ہے، اسوقت تقریباً نصف عالم پر اُس کا تسلط ہی، اُس کے اثر سے بہت سے رسوم خط فنا ہو گئے، آج دنیا مین اسلام کے چالیس کروڑ نفوس آباد ہین، جہان جہان آباد ہین عربی رسم الخط وہان موجود ہی، ممکن ہی کہ عربی زبان کی ہمہ گیر قوت نے بعض مسلمان ملکون مین فروغ نہ پایا ہو۔ لیکن بہت کم ممکن ہے کہ عربی رسم الخط سے وہ آزاد ہو، ایران وترکستان وہندوستان نے عربی زبان مقبول نہین کی۔ لیکن عربی رسم الخط اب تک اُنکی زبانون کا ترجمان ہی، باوجود اس عالمگیر انقلاب اور حیرت انگیز ہمہ گیری کے اسکی تاریخ تکوین اور ارتقائی تبدل وتغیر کی نسبت ہماری زبان مین بہت کم لکھا گیا ہے، ہم رسم خط کی عام اجمالی تاریخ کے بعد اس کا مختصر خاکہ پیش کرنا مناسب سمجھتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ عربی رسم خط نے کسقدر تغیر و انقلاب کے بعد موجودہ قالب اختیار کیا ہی اور خداوند ذوالجلال کا ترجمان بنکر اُسنے کیسا لازوال اور غیر فانی وجود حاصل کرلیا ہی،

قدرتی حیثیت سے عربی اداب معاشرت، نظام اجتماع اور اُسکی تاریخ کے دو حصے ہین،
ایک قبل ظہور اسلام، اور ایک بعد ظہور اسلام، اِس بنا پر ہم بھی رسم الخط کی تاریخ مین اُسی تفریق
کو پیش نظر رکھ کر ہر دور کی تاریخ الگ الگ حوالہ قلم کرتے ہین"

عربی رسم الخط قبل ظہور اسلام

اسلام سے بہت پہلے سرزمین عرب مین تمدن وتہذیب کے مختلف دور گذر چکے ہین، ہمارے مورخین نے اسکی طرف بہت کم توجہ کی ہے تاہم موجودہ زمانہ مین علماے اثار نے مسلسل وپیہم تفتیش کے بعد اس قدیم تمدن کے خط خال واضح کردیے ہین،

جغرافی حیثیت سے عرب کے دو حصے ہین، "جنوبی" جس مین "نجران" اور حضرموت وغیرہ شامل ہین، اور "شمالی" یعنی نجد، حجاز، اور تہامہ وغیرہ، اوّل الذکر قحطانی قبائل کا مسکن تھا اور ثانی الذکر بنو عدنان کی نو آبادی تھی، لیکن جنوبی خطہ مین قحطانیون کے آباد ہونے سے پہلے تمدن کی روشنی پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ قوم معین نے بابل یا عراق سے نکلکر حضرت عیسےٰ کی پیدایش سے ہزار ہا برس پہلے جنوبی عرب مین ایک زبردست حکومت قائم کرکے مدنیت وحضارت کی روشنی پھیلائی تھی پھر اسکے ایک مدت بعد قحطانی قبائل نے یمن کا رُخ کیا، اور قبیلہ سبا نے معینی حکومت کو فنا کرکے اپنی سلطنت قائم کرلی۔ چنانچہ مشہور محقق آثار مسٹر گلازر (glaser) نے بھی ایک سبائی کتبہ حل کرکے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ قبیلہ سبا معینی قوم کا جانشین ہے۔

سبائی حکومت کا پایۂ تخت "مارب" اپنے زمانہ مین تہذیب وتمدن کا مرکز تھا، قرآن شریف مین جس بلقیس کا ذکر ہے، وہ اسی سلطنت کی محترم ملکہ تھین، بعضون کا خیال ہے کہ ذوالقرنین جس کے فتوحات کا سیلاب سرحد چین تک پہونچگیا تھا وہ یمین کا ایک بادشاہ تھا، علاوہ ازین بنو حمیر کے آثار اور باقیات صالحات اب تک زبانِ حال سے اُنکی عظمت وشان کا قصیدہ پڑھ رہے ہین، یہانتک کہ بعض علماے آثار کو شبہہ پیدا ہوگیا ہے کہ بنو حمیر فینشین قوم کے شاگرد نہین بلکہ اُستاد تھے،

بڑی بڑی حکومتون کے علاوہ جنوبی عرب مین چھوٹی چھوٹی ریاستین بھی موجود تھین، مثلاً قتابیہ، جبائیہ، فریویہ اور حضرموتیہ وغیرہ عرب مورخین نے ان قومون کا تذکرہ تک نہین کیا ہے، تاہم یونانی مورخین، بلینوس وغیرہ نے انکی تمدنی ترقیون کے دلچسپ حالات لکھے ہین،

شمالی عرب بھی مدنیت وحضارت کی ضیا گستری سے محروم نہ تھا، حمورابی حکومت ۲۴۶۰ برس قبل مسیح قائم ہوئی تھی اور تقریباً چارسو برس تک تہذیب وتمدن کی روشنی پھیلاتی رہی، اسکے بعد دولت شاسو ظہور پذیر ہوئی جس کے فتوحات کا دائرہ مصر تک پہنچ گیا تھا، علم الآثار کے اکتشافات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصر مین عصر حدیدی یعنی لوہے سے کام لینے کی ابتدا اسی عہد سے ہوئی تھی، پھر یکے بادیگرے تدمری اور نبطی حکومتین قائم ہوئین جنکے تمدن وتہذیب کے آثار اب تک زبان حال سے اپنی عظمت ورفعت کی ترجمانی کر رہے ہین، الغرض عرب کے دونون خطے اسلام سے پہلے مختلف اوقات مین تمدن کا گہوارہ رہچکے تھے، اس بنا پر کتابت کا طریقہ جو تمدن کا ضروری عنصر ہے نہایت قدیم زمانہ سے یہان رائج ہوچکا تھا لیکن دونون خطّون مین جسطرح جغرافی اور قومی حیثیت سے کوئی رابطہ اتحاد نہ تھا اسیطرح رسوم خط کے ماخذ بھی متحد نہ تھے، جنوبی عرب طریقہ کتابت مین براہ راست فینشین قوم کا خوشہ چین تھا، برخلاف اسکے شمالی عرب آرامی اور سریانی اقوام کا ممنون احسان تھا، چونکہ ان دونون حصص ملک کے رسوم خط باہم کوئی قدر مشترک نہین رکھتے اسلیے ہم ذیل مین تفصیل کے ساتھ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہین:-

جنوبی یا قحطانی رسوم خط

پہلے گذر چکا ہے کہ قوم معین نے بابل یا عراق سے آکر جنوبی عرب مین سب سے پہلے حکومت کی بنیاد ڈالی اور متمدن ہمسایہ اقوام سے رابطۂ اتحاد پیدا کیا، تاجرون نے دور دراز ممالک کی سیاحت کی اور دنیا کی ترقی یافتہ قومون سے اختلاط پیدا کرکے انکے علوم وفنون سیکھے چونکہ اس زمانہ مین فینشین قوم کا دار السلطنت "صور" تمدن وتہذیب کا ملجا اور بری وبحری تجارت

کا سب سے بڑا مرکز تھا اس لیے قیاس ہے کہ عرب تاجر جو کثرت کے ساتھ یہان موجود رہتے تھے نہایت شوق سے یہ تحفہ اپنے وطن لائے ہونگے چنانچہ قدیم عربی خط مسند اور فنیشین رسم خط مین نہایت قریبی مشابہت ہے لیکن عجیب بات ہے کہ خط مسند فنیشین خط سے زیادہ خوبصورت باقاعدہ اور مرتب ہے اور درحقیقت یہی اسکے فرع ہونے کی دلیل ہی،

ایک مدت کے بعد قحطانی قبائل نے جنوبی عرب کا رُخ کیا اور قبیلہ سبا نے یمن مین سکونت اختیار کرکے معینی قوم کے آداب معاشرت اور تہذیب وتمدن کی خوشہ چینی کی پھر رفتہ رفتہ اس شاگرد نے اس قدر قوت حاصل کرلی کہ استاد کو فنا کرکے خود اس چمن زار کا مالک بن بیٹھا، تاہم اُسنے اپنے اُستاد کے علوم وفنون اور تہذیب وآداب معاشرت کو دست فنا سے محفوظ رکھا اور ترقی دیکر بام عروج پر پہنچا دیا. چنانچہ آثار اور کتبات کے معائنہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سبائی یا خط مسند درحقیقت معینی طریقۂ تحریر کی ایک ترقی یافتہ صورت ہی،

گردش زمانہ کی زبردست طاقت نے رفتہ رفتہ قوم سبا مین بھی تفریق واختلاف کے رخنے ڈال دیے اور مختلف قبائل نے علیحدہ علیحدہ اپنی ریاستین اور نوآبادیان قائم کرلین. چنانچہ بنو حمیر نے جنوبی مغربی حصہ مین اپنی مشہور آفاق سلطنت کا سنگ اساس ڈالا، اسیطرح ایک قبیلہ نے جنوبی عرب سے نکلکر حوران کے پہاڑ "صفا" کے دامن مین سکونت اختیار کرلی اور صفوی قوم کے نام سے زبان زد عام ہوئی، بنو لحیان اور ثمود نے بھی اپنی اپنی مستقل ہستیان قائم کرلین. غرض اس تفریق اور تشتت نے تہذیب، تمدن اور آداب معاشرت کے ساتھ خط مسند یا سبائی خط کی بھی حسب ذیل شاخین پیدا کردین،

(۱) مسند صفوی: حوران کے مشرقی سلسلہ کوہستانی مین "صفا" نام ایک پہاڑ ہی، علماء آثار کی تحقیق کے مطابق ایک قحطانی یا سبائی قبیلہ نے اُسکے دامن مین سکونت اختیار کی، اور سنگی

کتبات پر اپنے طریقۂ تحریر کی یادگار چھوڑ گیا،

سب سے پہلے ۱۸۵۷ء مین پروفیسر کریلوس گریہم نے اس کا پتہ چلایا اور جیوگرفیل سوسائٹی لندن کے میگزین مین ایک مضمون لکھکر اس قوم اور اُسکے رسم خط کی طرف علماء آثار کی توجہ مبذول کی، اسکے بعد ۱۸۶۰ء مین پروشیا کے سفیر مسٹر وٹسٹس نے جو دمشق مین متعین تھے اِس علاقہ کی سیاحت کی، اور مسند صفوی کے تقریبًا ۲۶۰ عکسی نقوش اپنے سفرنامہ مین درج کیے، اِس سفرنامہ کا شائع ہونا تھا کہ صفا یورپ مین زائرون کا جولانگاہ ہوگیا، اور ہزارون صفوی کتبے مشرق سے مغرب پہنچ گئے،

ابتداءً اس کے حل کرنے مین سخت دشواریان پیش آئین، اور عرصہ تک معلوم نہو سکا کہ اسکا تعلق کس قوم اور کس طریقۂ تحریر سے ہے؟ یہانتک کہ مسٹر مولر نے جو سمیٹک زبانون کے ماہر تسلیم کیے گئے ہین نہایت کوشش وکاوش کے بعد اسکو حل کیا، اور ایک جرمن سائینٹیفک میگزین (Z.D.M.G.) مین ایک مضمون لکھکر اسکی تشریح کی، پھر جرمن وفرانس کے دوسرے علماء نے اسکو واضح سے واضح تر کردیا، بہرحال تمام تحقیقات کا خلاصہ یہ ہی کہ صفوی رسم خط سبائی طریق کتابت کی شاخ اور اصلی ماخذ فنیشین سے تمام دوسری شاخون کی بہ نسبت زیادہ مشابہ ہی،

(۲) مسند ثمودی: یہ بھی سبائی سے مشتق ہی اور قوم ثمود کے انتساب کے باعث مسند ثمودی کے نام سے مشہور ہے، اِس قوم کا مرکزی شہر مدائن صالح تھا، چنانچہ یہان آج بھی اسکے بہت سے باقیات صالحات خاموشی کے ساتھ عہد ثمودی کا پُرفخر افسانہ سنا رہے ہین،

(۳) مسند لحیانی: قبیلہ لحیان نے مسند سبائی مین کچھ تغیر وتبدل کرکے ایک خاص طرز تحریر ایجاد کیا تھا، اسلیے علماء آثار کی اصطلاح مین اس کا نام مسندِ لحیانی ہے،

(۴) مسند حمیری: بنو حمیر قوم سبا کے ایک قبیلہ کا نام تھا جسنے جنوبی مغربی عرب مین ایک عظیم الشان حکومت قائم کرلی تھی، خط حمیری اِسی قبیلہ کی طرف منسوب ہے، علامۂ ابن خلدون تحریر فرماتے ہین

کہ "حمیری رسم خط نہایت مرتب باقاعدہ اور خوشنما تھا، اس کے حروف جدا جدا لکھے جاتے تھے اور وہ دوسرون کو بغیر اجازت سیکھنے سے روکتے تھے"

بہرحال حروف جدا جدا لکھنے کی خصوصیت مسند کی تمام شاخون مین عام تھی البتہ باقاعدگی اور حسن وزیبایش کے لحاظ سے دوسرون پر فایق ہونے مین شک نہین ہی، کیونکہ بنو حمیر اپنے زمانہ مین سب سے متمدن تھے اور انکے عروج وترقی کا آفتاب نصف النہار پر تھا مین اور اُس کے قرب وجوار کے کھنڈرون مین نہایت کثرت کے ساتھ حمیری کتبات دستیاب ہوئے ہین، یہان تک علماء آثار نے اِنہی کتبون کی مدد سے بنو حمیر کی پوری تاریخ مرتب کردی ہی،

حبشی طریقۂ تحریر بھی سبائی یا مسند رسم خط سے اسقدر مشابہ ہو کہ اگر معمولی اختلافات سے قطع نظر کرلیا جاے تو پھر دونون مین کوئی فرق باقی نہین رہتا، اِسلیے بہت ممکن ہو کہ حبشی رسم خط بھی مسند کی مسخ شدہ صورت ہو، کیونکہ تاریخ نہایت قدیم زمانہ سے یمنی اور حبشی اقوام کے باہمی اختلاط اور میل جول پر شاہد ہے، سبائی قوم نے بارہا حبش پر ترکتاز کیا ہے اسیطرح حبشیون نے ایک طویل عرصہ تک یمن کو زیرنگین رکھا ہے، ابرہتہ الاشرم صاحب الفیل جس کا قصہ قرآن مجید مین مذکور ہے حبشی نژاد اور یمن کا صاحب جبروت وپرعظمت فرمان روا تھا، غرض اس قسم کے تمام تاریخی شہادات سے یہ قیاس بیجا نہوگا کہ حبشی یا اثیوبی رسم خط سبائی نژاد ہے، ہم ذیل مین فینشین ابجد کے بالمقابل مسند اور حبشی حروف کے نمونے درج کرتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ ان خطوط مین باہم کس قدر قریبی مشابہت ہے

	فینشین	مسند صفوی	مسند ثمودی	مسند لحیانی
۱				

فینشین	مسند صفوی	مسند ثمودی	مسند لحیانی	مسند حمیری	حبشی یا اثیوبی

شمالی یا عدنانی رسم خط — شمالی عرب کے متعلق تاریخ کی روشنی ازمنہ قدیمہ کی تاریکیون مین جہان تک رہنمائی کرتی ہی وہ یہ ہی کہ سب سے پہلے بابل کی ایک قوم نے سامرہ فتح کرکے اس خطہ مین تمدن کی روشنی پہونچائی، اس قوم مین مسماری طریق کتابت کا رواج تھا چنانچہ مکاتبات، مراسلات، اور قبرون یا عمارتون کے سنگی کتبون مین عام طور پر اسی مسماری خط کو استعمال کرتے تھے، ذیل کے نمونہ سے واضح ہوگا کہ مسماری خط سامریون کے عہد تک محض صوری تھا یعنی تصویر کشی اور نقاشی کے ذریعہ سے مفہوم ادا کیا جاتا تھا،
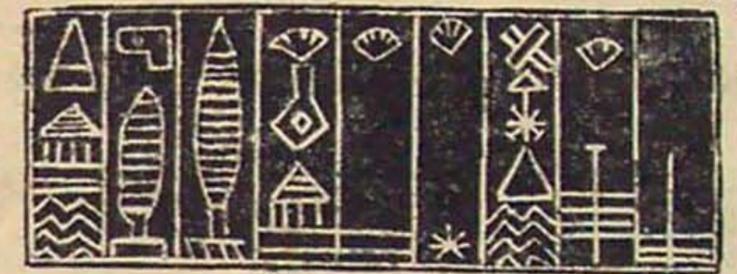
حمورابی رسم خط — ایک مدت کے بعد سامری قوم مین حمورابی نام ایک بہادر اولوالعزم اور مصلح پیدا ہوا جسنے تمام ملحقہ علاقون کو فتح کرکے حمورابی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور نظام معاشرت وتہذیب وتمدن کے اصول وقوانین وضع کیے، چنانچہ سنہ ۱۹۰۱ء مین بلاد سوس مین ایک حمورابی کتبہ برآمد ہوا ہی جو دراصل اس قوم کی تہذیب ومدنیت کا نہایت روشن آئینہ ہی اسمین ۲۸۲ قانونی دفعات مندرج ہین، اہل یورپ کو حیرت ہی کہ قدیم دنیا نے اسقدر حیرت انگیز دماغی ترقی کیونکر بہم پہونچائی تھی،

حمورابی اور اس کے اخلاف نے سامری علوم وفنون کے ساتھ طریق کتابت کو بھی خاص طور پر ترقی دی اور رفتہ رفتہ اسکی صورت کو بالکل متغیر کردیا۔ حمورابی تحریر کا نمونہ حسب ذیل ہی:۔

مباحث حاضرہ

اُردو وہندی

آثار خطبیہ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالی

سنہ ۱۹۱۲ء مین الہ آباد گورنمنٹ نے ایک ورنیکولر اسکیم کمیٹی قائم کی تھی جسکا مقصد یہ تھا کہ اسکولون اور کالجون مین دیسی زبان کا کورس ایسی زبان مین مرتب کیا جاے جو اُردو ہندی دونون زبانون مین ایک ہی عبارت والفاظ کے ساتھ پڑھا جاسکے نیز اُردو کے کورس مین بھاشا لٹریچر بھی ضروری قرار دیا جائے،

مسٹر برن چیف سکرٹری نے اسکے متعلق ایک اسکیم مرتب کی، مولانائے مرحوم اس کمیٹی کے ممبر تھے، اس اسکیم کے متعلق انہون نے جو خیالات ظاہر کیے تھے وہ حسب ذیل تحریر ہے،

یہ تحریر اس درجہ موثر رہی کہ مسئلہ کا فیصلہ خود ہندو ممبرون کی تائید سے مولانا ہی کی رائے پر ہوا، اور اس طرح اُردو ہندی بن جانے سے بال بال بچ گئی،

مسٹر برن نے اپنی یادداشت مین جو تجویزین پیش کی ہین، ان مین اصلی اور مہتم بالشان مسائل دفعہ ۳ و ۴ ہین، ان دفعات کا ورنیکولر پر نہایت وسیع اور دیرپا اثر پڑسکتا ہے، اسلیے ہمکو نہایت غور اور توجہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہیئے،

دفعات ۳ و ۴ کا ماحصل یہ ہی:

"اُردو زبان، اور ہندی زبان، دراصل ایک ہی زبانین ہین، کیونکہ انکی گرامر متحد ہے اور جن دو زبانون کی گرامر متحد ہوتی ہے وہ زبانین دراصل ایک ہی ہوتی ہین، اس بنا پر ورنیکولر کورس ایسی مشترک زبان مین بننا چاہیے کہ صرف رسم خط (کیرکٹر) کے فرق سے وہ، اُردو

اور ہندی دونون بن جائے"۔

"لیکن ہندی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہی کہ اسکی نظم ونثر کی گرامر مختلف ہی، اس لیے ہندی نظم کی گرامر کی واقفیت اور مہارت کے لیے، راماین تلسی داس، کورس مین داخل ہونی چاہیے، ہندؤون کے لیے وہ لازمی کردی جاے اور مسلمانون کے لیے بھی اس کا پڑھنا مناسب ہوگا"

اس تجویز پر بحث کرنے کے لیے ہم کو پہلے یہ فیصلہ کرلینا چاہیے کہ ہندی کے لفظ سے مسٹر برن کی کیا مراد ہے؟ ہندی دو قسم کی ہے، ایک جو دیہات مین بولی جاتی ہی اور گنوار بولتے ہین، دوسری جو شہر مین تعلیم یافتہ ہندو روزمرہ استعمال کرتے ہین،

پہلی قسم کی ہندی تو کسی طرح کورس کی صلاحیت نہین رکھتی، جسکے دلائل حسب ذیل ہین،

(۱) یہ ہندی ہر ضلع کی الگ ہی، اور اُن مین باہم اس قدر اختلاف ہی کہ ایک ضلع کا آدمی دوسرے ضلع کی ہندی کو مشکل سے سمجھ سکتا ہے، اس لیے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہوگا کہ کس ضلع کے دیہات کی زبان کورس مین داخل کی جائے،

(۲) دیہات اور گنوارون کی زبان کسی ملک مین داخل نصاب نہین کی جاتی، اور نہ وہ کبھی علمی زبان قرار پاتی ہے، انگلستان مین دیہات کی انگریزی، کسی نصابِ تعلیم مین داخل نہین ہے ایران اور عرب وغیرہ کا بھی یہی حال ہے،

(۳) یہ زبان، معمولی روزمرّہ کے مطالب کے ادا کرنے کے لیے کافی ہوسکتی ہے، لیکن وہ کوئی علمی زبان نہین بن سکتی، حالانکہ ورنیکولر کو اس حد تک ترقی دینا مقصود ہے کہ کالج کلاسون مین اخیر تک اس کا سلسلہ قائم رہے،

اب جو کچھ بحث ہوسکتی ہے وہ دوسری قسم کی ہندی کے متعلق ہوسکتی ہی،

اس مین شبہہ نہین کہ شہرون مین عموماً ہندو جو زبان بولتے ہین، وہ اور اردو زبان ایک ہی زبانین ہین، یعنی اُنکے افعال اور اکثر مفرد الفاظ اور گرامر ایک ہی ہین، فرق یہ ہی کہ عام ہندو جو بالکل تعلیم یافتہ نہین ہوتے، یا جو پنڈت بھاشا اور سنسکرت مین زیادہ توغّل رکھتے ہین، وہ فارسی عربی الفاظ کے بجاے، زیادہ تر برج بھاشا یا سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے ہین، لیکن عام تعلیمیافتہ ہندو جو ہندوستانی زبان مین مضامین اور آرٹیکل اور رسالے لکھتے ہین اُنکی اُردو اور مسلمانون کی اُردو مین مطلق فرق نہین ہوتا، متعدد علمی میگزین جن کے مالک وایڈیٹر ہندو ہین مثلاً زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، زبانِ دہلی، ان مین ہندو انشاپرداز جو مضامین لکھتے ہین، اُنکی زبان اور اعلیٰ درجہ کے مسلمان انشاپردازون کی زبان مین کچھ فرق نہین ہوتا، وہ عموماً عربی اور فارسی علمی الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہین، کیونکہ علمی خیالات کے لیے معمولی ہندی کے الفاظ کافی نہین ہوسکتے، اور سنسکرت کے الفاظ کی نسبت وہ جانتے ہین، کہ اگر استعمال کیے جائین تو سمجھنے والون کی تعداد تھوڑی رہ جائیگی،

مسٹر برن کی غالباً یہ مراد ہوگی کہ ان دونون زبانون کا ایک ہی نصاب بننا چاہیے، اسکی مثال بھی موجود ہے، کیونکہ پرائمری اسکولون مین پانچوین درجہ تک جو کورس پڑھایا جاتا ہے اور جس مین سے جنرل ریڈر اس سلسلہ کی اخیر کتاب ہے دونون زبانون کے کورس مین داخل ہی۔

لیکن اس کے متعلق حسب ذیل امور، قابل لحاظ ہین،

اس قسم کی مشترک زبان، صرف اُس حد تک کے لٹریچر کے لیے کافی ہوسکتی ہے جو نہایت معمولی مطالب اور خیالات کے ادا کرنے کے لیے کافی ہو، جیسے کہ جنرل ریڈر کی زبان ہے، لیکن جب کہ یہ مقصود ہے کہ ورنیکولر کا سلسلہ کالج کے اخیر کلاسون تک قائم رہے تو ایسے نصاب کے بنانے کی ضرورت ہوگی جس مین ہر طرح کے علمی مضامین اور علمی خیالات ادا کیے جائین، اس

حالت مین ان مضامین اور خیالات اور اصطلاحات کے ادا کرنے کے لیے عام روزمرہ کے الفاظ کافی نہون گے بلکہ کسی علمی زبان سے ستعار لینے پڑین گے، یہ علمی زبان، عربی یا سنسکرت ہوگی، اور یہان سخت کشمکش پیدا ہوگی، مسلمان ہرگز اس بات پر رضامند نہون گے کہ بجاے اُن عربی الفاظ کے جن کو ہر تعلیمیافتہ مسلمان نہایت آسانی سے فوراً سمجھ سکتا ہے، سنسکرت کے الفاظ سیکھین جو اُن کے لیے بالکل گوش نا آشنا ہین، ہندو بھی اگرچہ ان الفاظ سے درحقیقت گوش آشنا نہین ہون گے لیکن وہ بطور ایثار کے اِس محنت کو برداشت کرین گے، بہرحال جنرل ریڈر مرّوجہ حال سے آگے چلکر صاف فیصلہ کردینا ہوگا کہ ہندی اور اُردو کے کورس الگ الگ ہوجائین، ورنہ ان ان دونون زبانون کے مخلوط کرنے سے حسب ذیل نقصانات ہون گے،

(۱) ہمیشہ ایک کشمکش رہے گی، نصاب بنانے مین ہندو، اور مسلمان، دونون اپنی اپنی قومی زبان یعنی عربی اور سنسکرت کی طرفداری کرین گے، اور کبھی کوئی اور کبھی کوئی فریق کامیاب ہوگا،

(۲) دونون سے ملکر ایک نئی زبان پیدا ہوگی، جو نہ اُردو ہوگی نہ ہندی، اُردو اور ہندی دونون زبانون کو اس حد تک ترقی دینا چاہیے کہ وہ علمی زبانین بن جائین، اور ان مین ہر قسم کے خیالات اور مضامین ادا کیے جاسکین، اور یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب دونون کو علیحدہ علیحدہ آزادی کے ساتھ ترقی کا موقع دیا جائے، اور ایک دوسرے کی راہ مین حائل نہ ہو،

ہم کو اس بات پر بھی سب سے زیادہ نظر رکھنی چاہیے، کہ زبان کو اس حد تک ترقی دینی چاہیے کہ اسکی تصنیفات ہمارے صوبہ تک محدود نہ رہین، بلکہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ لوگون مین رواج پاسکین، یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ ہندوستان کے تمام تعلیمیافتہ مسلمانون کی زبان، اُردو ہے، پنجاب بنگال، مدراس، بمبئی مین قابل اور لایق مسلمان جو تصنیفات انگریزی زبان کے علاوہ کرتے ہین وہ اُردو مین ہوتی ہین، اور یہ وہی اُردو ہے جو سنسکرت الفاظ سے بالکل خالی ہے، اس لیے

اگر اس زبان کو سنسکرت الفاظ ملاکر ہندی اور اُردو کی ایک زبان بنائی جائے گی تو ایک زبان جو تمام ہندوستان کی اور کم از کم یہ کہ تمام مسلمانون کی لینگوا فرنکا ہے، گھٹ کر ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع کی زبان رہ جائے گی،

اب مین مسٹر برن کی اس منطق کی طرف متوجہ ہوتا ہون جو انکی تمام تجویزون کا سنگ بنیاد ہے، یعنی یہ کہ ہندی اور اُردو کی گرامر ایک ہین،

دو زبانون کی گرامر کے متحد ہونے سے صرف یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ دونون ایک ہی خاندان کی زبان ہین، یا ایک دوسرے سے نکلی ہین، اسیرین زبانون مین گرامر کے اعتبار سے ایک عام اتحاد پایا جاتا ہے، اور یہ اتحاد بعض زبانون مین بہت زیادہ ہوتا ہے، تاہم وہ زبانین مختلف رہتی ہین، اور اُن سے مشترک کورس نہین طیار ہوسکتا، عبری زبان کی جو گرامر آجکل بیروت مین شائع ہوئی ہے اور جو ایک قدیم مستند تصنیف ہے، وہ عربی کے نہایت قریب ہے اور اُس اتحاد سے کسی طرح کم نہین جس قدر کہ ہندی اور اُردو مین اتحاد ہے تاہم عبری اور عربی زبان کا کوئی مشترک کورس نہین بن سکتا،

اس کے علاوہ اگر دو زبانون کی گرامر ایک ہو، لیکن الفاظ بالکل مختلف ہون تو اُن کو ایک زبان نہین کہہ سکتے، مشرقی ہندوستان کی زبانون کی گرامر قریباً بالکل متحد ہے، باوجود اس کے نہ وہ ایک زبانین کہی جاسکتی ہین نہ ان کا کوئی مشترک کورس بن سکتا ہے،

مسٹر برن کا یہ دعوے اور سخت حیرت انگیز ہے کہ ہندی کی نظم کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ اسکی گرامر نثر کی گرامر سے مختلف ہے، نظم و نثر مین گرامر کا ایک خفیف فرق تمام زبانون مین اس لحاظ سے ہوتا ہے کہ نظم مین وزن کی ضرورت سے الفاظ آگے پیچھے کردیے جاتے ہین لیکن اس کے لیے علیحدہ گرامر بنانے کی ضرورت نہین ہوتی، متعلم خود سمجھ لیتا ہے کہ وزن کی ضرورت نے

یہ تغیر کر دیا ہے، ہندی زبان کی نظم کی گرامر نثر سے مختلف ہوگی تو اسی قدر ہوگی، اس سے زیادہ اختلاف کی کوئی وجہ نہین ہوسکتی،

نظم کی گرامر کے مختلف ہونے سے جو استدلال کیا گیا ہی اس مین سخت منطقی مغالطہ ہی۔

رامائن کی گرامر مختلف ہی، لیکن اسکی یہ وجہ ہے کہ آج سے تین سو برس پہلے کی زبان ہے اس زمانہ کی اگر کوئی نثر ملے گی، تو آج کی نثر کی گرامر سے اُسیقدر مختلف ہوگی جسقدر کہ نظم کی گرامر مختلف ہی، راماین کی زبان آج کل کی ہندی نہین ہے اس لیے اس کا کورس مین داخل کرنا اگر اس لحاظ سے ہے کہ زبان کی وسیع واقفیت کے لیے اس کی ابتدائی حالت اور عہد بعہد کی تبدیلیون سے واقفیت ضروری ہی تو یہ راے بالکل بجا ہی لیکن اس غرض کے لیے دو امر کا لحاظ ضروری ہی:

ایک یہ کہ ایسا کورس اسکول کے لیے موزون نہین، بلکہ کالج کلاسون مین داخل ہونا چاہئے جسطرح کہ قدیم انگریزی زبان کی کوئی کتاب انٹرنس تک داخل نہین ہے،

دوسرے یہ کہ اس قسم کا کورس خالص ہندی زبان کے لیے ہونا چاہیے، جو صرف اُن لوگون کے لیے بنایا جاے جو ہندی بھاشا اور سنسکرت کی تحصیل کرنا چاہتے ہین، ایسا کورس عام ورنیکولر کے لیے بالکل موزون نہین ہوسکتا،

اخیر مین مین نہایت زور سے کہتا ہون کہ نہایت ابتدائی درجون تک ایک سادہ زبان جو عربی اور سنسکرت دونون سے قریباً آزاد ہو اختیار کی جاسکتی ہے۔ لیکن ہائر کلاسون کے لیے اُردو اور ہندی زبانون کو بالکل الگ الگ قایم کرنا چاہیے اور اسی صورت مین دونون علی درجہ تک ترقی کرسکتی ہین،

گرامرون کے معمولی اشتراک سے دونون زبانون کو ایک قرار دینا اور اسکی بنا پر اخیر

مسائل و فتاوی

مسئلۂ انتقال جائداد بنام اشخاص غیر مولود

۳

مسئلۂ انتقال جائداد بنام اشخاص غیر مولود کی نسبت کونسل کے گذشتہ جلسہ مین فیصلہ ہوگیا کہ مسلمانون کے علاوہ ہندوون اور بمبئی کے مسلمان خوجون کی نسبت مسودۂ قانون منظور کر لیا گیا گو اب اس بحث کا خاتمہ ہوچکا، تاہم صرف اثبات حقیقت اور تکمیل بحث کے لیے ابھی عرض گفتگو کا موقع باقی ہے،

اوپر گذر چکا کہ اس مسئلہ کی متعدد صورتین ہین جن مین سے بعض اسلام مین درست، اور بعض غیر صحیح ہین، یہ تمام سلسلۂ بحث تو اصل حقیقت کے متعلق تھا کہ مسئلہ کی اصل تشریح فقہ اسلام کے روسے کیا ہے؛ لیکن اب آخری اور خاتمۃ البحث یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل کو جنکا تعلق مسلمانون کے مذہبی معاملات سے ہے، زید و عمر کے استخراج و استنباط سے کیا تعلق؟

واضعین مسودہاے قوانین، ہمیشہ یہ غلطی کرتے ہین اور اب بھی اس مسئلہ مین اسی غلطی کا اعادہ کیا گیا، اسلام کی شریعت کی نسبت انھین اطمینان رکھنا چاہیے کہ وہ حالات انسانی کے ہر موقع کے لیے ہر حیثیت سے مکمل ہے۔ فقہ اسلامی جن شرائع اور مسائل پر مشتمل ہے، وہ حکومت کے رد و قبول سے مستغنی ہے، وہ ایک ابدی قانون ہے، اور بحمد اللہ کہ مسلمانون کی تمام ضروریات کی تکمیل کے لیے اس دفتر کا ایک ایک حرف متکفل ہے۔ چنانچہ مسئلۂ زیر بحث کی نسبت یہ دکھایا جاچکا ہے کہ جہان تک فطری اور واقعی حیثیت سے اس قانون کی ضرورت ہے۔ شریعت اسلامی اُس

حکومت ہند نے جب مسلمانون کے حق مین یہ طے کرلیا ہے کہ اُنکے مذہبی معاملات کے لیے کسی جدید قانون کی ضرورت نہین بلکہ خود انکے قوانین شرعی کے مطابق انکا فیصلہ ہوگا تو اس حالت مین کسی قانون کا وضع کرنا ایک بے سود فعل کا اعادہ ہے۔ غیر مولود اشخاص کے حق مین انتقال جائداد ممکن ہے؟ اور اس امکان انتقال کی کیا کیا صورتین ہین؟ اور کن کن صورتون مین اُنکے کیا کیا احکام ہین؟ اِن سوالات کے جواب کے لیے مجموعہ قوانین ہند کی طرف رجوع کی حاجت نہین بلکہ شریعتِ مطہرہ کے احکام و مباحث کی ضرورت ہے،

طلاق، نکاح، وراثت، ہبہ، وصیت، وقف، شفعہ، وغیرہ کے تمام احکام کتب فقہیہ مین مشرح مذکور ہین۔ اب اگر ان معاملات کے متعلق کوئی ضرورت محسوس ہو تو ممکن ہے کہ رعایائے ہند کے دیگر افراد اس ضرورت کے دفع و تکمیل کے محتاج ہون، لیکن قانون الٰہی کی سب سے آخری شرح جو شریعت اسلامیہ کے نام سے موسوم ہے وہ خود اپنی ضرورت کی آپ متکفل ہے،

اِس بنا پر اگر ہمکو ان عنایات سے محروم ہی رکھا جائے تو ہمارے لیے یہی سب سے بڑی عنایت ہے،

مسٹر سی، ایچ، سیتل واڈ جو مسودۂ قانون مبحوث عنہ کے واضع اور پیش کنندہ ہین، ہم جانتے ہین کہ وہ ایک غیر مسلم جنٹلمین ہین، اور یقین ہے کہ انکو ہماری شریعت کے اصول و قواعد کی یا مطلق واقفیت نہوگی یا نہایت محدود ہوگی، ایسی حالت مین وہ کس اساس سخن کے اعتماد پر کتاب الوصیۃ کے ایک نئے باب کے اضافہ کا مشورہ دیتے ہین،

اِس قسم کے تمام فقہی مباحث مین ہم مسلمانون کا متفقاً ایک ہی جواب ہونا چاہیے کہ اگر جاری شریعت کے رو سے وہ ایک صحیح و جائز صورت ہے تو ہمکو کسی جدید قانونی مشورہ کی حاجت نہین، اور اگر درست نہین تو ہم اُسکے قبول کے لیے تیار نہین،

ادبیات

کلامِ شبلی

یہ اُردو غزل مولانائے مرحوم نے مولوی عزیز مرزا مرحوم کی فرمایش سے حیدرآباد مین ایک خاص موقع پر لکھی تھی، یہ غزل سات شعر کی تھی، لیکن ہم تک صرف چار شعر پہنچے ہین،

اثر کے پیچھے دلِ حزین نے سراغ چھوڑا کہ پھر کہین کا — گئے ہین نالے جو سوئے گردون تو اشک نے رُخ کیا زمین کا

بُری تھی تقدیر یا بھلی تھی یہ راز کسطرح سے عیان ہو — بتونکو سجدے کیے ہین اتنے کہ مٹ گیا سب لکھا جبین کا

وہی لڑکپن کی شوخیان ہین وہ اگلی ہی سی شرارتین ہین — سیانے ہونگے تو ہان بھی ہوگی ابھی تو سن ہی نہین نہین کا

یہ نظم آئین یہ طرزِ بندش، سخنوری ہے، فسونگری ہو — کہ ریختہ مین بھی تیرے شبلیؔ، مزہ ہے طرزِ علی حزین کا

ماخوذ از مکاتیب شبلی

تیرِ قاتل کا یہ احسان رہ گیا — جائے دل سینہ مین پیکان رہ گیا

کی ذرا دستِ جنون نے کوتہی — چاک آ کرتا بداman رہ گیا

دو قدم چلکر ترے وحشی کے ساتھ — جادۂ راہِ بیابان رہ گیا

قتل ہو کر بھی سبکدوشی کہان — تیغ کا گردن پہ احسان رہ گیا

ہم تو پہنچے بزمِ جانان تک مگر — شکوۂ بیدادِ دربان رہ گیا

کیا قیامت ہے کہ کوے یار سے — ہم تو نکلے اور ارمان رہ گیا

دوسرون پر کیا کھلے رازِ دہن — جبکہ خود صانع سے پنہان رہ گیا

جذبۂ دل کا ذرا دیکھو اثر — تیر نکلا بھی تو پیکان رہ گیا

جامۂ ہستی بھی اب تن پر نہین — دیکھ وحشی تیرا عریان رہ گیا

ضعف مرنے بھی نہین دیتا مجھے — مین اجل سے بھی تو پنہان رہ گیا

اے جنون تجھ سے سمجھ لون گا اگر — ایک بھی تارِ گریبان رہ گیا

حُسن چمکا یار کا، اب آفتاب — اِک چراغ زیرِ دامان رہ گیا

لوگ پہونچے منزلِ مقصود تک — مین جرس کی طرح نالان رہ گیا

بزم مین ہر سادہ رُو تیرے حضور — صورتِ آئینہ حیران رہ گیا

یاد رکھنا دوستو اس بزم مین — آکے شبلی بھی غزلخوان رہ گیا

کچھ اکیلی نہین میری قسمت — غم کو بھی ساتھ لگا لائی ہے

منتظر دیر سے تھے تم میرے — اب جو تشریف صبا لائی ہے

نکہتِ زلف غبارِ رہِ دوست — آخر اس کوچہ سے کیا لائی ہے

موت بھی روٹھ گئی تھی مجھسے — یہ شبِ ہجر منا لائی ہے

مجھکو لے جا کے مری آنکھ وہان — اِک تماشا سا دکھا لائی ہے

آہ کو سوے اثر بھیجا تھا — وان سے کیا جانیے کیا لائی ہے

شبلیِ زار سے کہدے کوئی — مژدۂ وصل صبا لائی ہے

رمزیات

عجیب طرح کا اک پیچ گفتگو مین ہے — وگرنہ "مین" "مین" وہی بات ہے جو "تو" مین ہے

بُلایا تمنے، تو پہلو مین دل بھی آ بیٹھا — کہون مین کیا کہ رقیب آج بھی جلو مین ہے

ہر ایک ذرہ کو اس دہر مین جو جنبش ہے — پتہ تو پا نہ سکا، تیری جستجو مین ہے

خطابِ غیر مین صد احترام مرعی ہو — مگر وہ لطفِ تخاطب کہان جو تو مین ہے

دہن مین تیغ کے اب بھی ہے تشنگی باقی — عجیب لذتِ پنہان مرے لہو مین ہے

اُدھیڑتا ہون جو سی سی کے اپنے دامن کو — مین کیا بتاؤن کہ کیا ذوق اس رفو مین ہے

نگاہ مہر ادھر ہو کہ آچلا ہے کیف — بچا نہ رکھ مرے ساقی جو کچھ سبو مین ہے

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل مین — وہ ایک قطرۂ خون جو رگِ گلو مین ہے

قفس مین نالہ کرے مرغِ صحنِ باغ سے دور — کہ لطف شکوۂ یارانہ روبرو مین ہے

جسکو سمجھے ہین تن زندہ کہین لاش نہو — قیدِ ہستی بھی کسی جرم کی پاداش نہو

آئینہ خانہ مین دیوانہ بنا رکھا ہے — اور یہ حکم کوئی شیشہ کہین پاش نہو

میری دزدیدہ نگاہی تری ترچھی چتون — غیر ممکن ہے کہ یہ راز کبھی فاش نہو

بازیِ عشق ہے بازیچۂ اطفال نہین — کوتہ اندیش یہ شطرنج نہو تاش نہو

شیشۂ مے سے خبردار رہا کرتا ہون — پردۂ زہد مین واعظ کوئی اوباش نہو

رباعی

کیا خبط ہے فلسفی جو اتراتے ہین — قائل ہی نہ ہوتے ہین نہ شرماتے ہین

محشر مین کیا عجب جو اعضا ہون گواہ — جب نقشِ قدم گواہ بن جاتے ہین

مطبوعات جدیدہ

خردنامہ، یہودیون کے مجموعۂ اسفار مین ایک صحیفہ کا نام امثال سلیمانؑ ہی، جس مین حضرت سلیمان کی حکمت ودانش کی باتین، چھوٹے چھوٹے فقرون اور سادہ تشبیہات مین رموز واسرار کے بڑے بڑے نکتے حل کیے گئے ہین۔ مولانا **حمید الدین** صاحب بی اے صدر دار العلوم حیدرآباد نے اِس صحیفہ کو خالص فارسی زبان کی نظم مین بغیر آمیزش الفاظ عربی منتقل کیا ہے،

معنی کے لحاظ سے اس صحیفہ مین جو دقایق وحقائق ہین وہ تو الگ چیز ہے۔ فارسی، اور صحیح وفصیح فارسی اور ٹھیٹھ اور خالص فارسی پھر بہ ترک الفاظ عربی نے اسکو عجوبۂ روزگار بنا دیا ہے، **فردوسی** کے شاہنامہ مین بھی عربی الفاظ کم ہین، مفقود نہین ہین، اکثر لوگ سمجھتے ہین کہ فردوسی نے بالارادہ عربی الفاظ سے احتراز کیا ہے، حالانکہ اصل یہ ہے کہ قدما کے ہان مثنوی کی زبان یہی تھی، **دقیقی** کا جو کلام شاہنامہ مین داخل ہے۔ اُسکی بھی یہی زبان ہے۔ اسدی نے لغت فُرس مین غزنوی دور کی مثنوی کے شعر جہان جہان نقل کیے ہین انکی یہی زبان ہے،

مولانا ہندوستان زا ہین، لیکن حسن مذاق، اور فارسی ذوق نے شیرازی بنا دیا ہے، انکی فارسی زبان پر خود مولانائے مرحوم کو رشک تھا، انکا مطبوع کلام **دیوان حمید** اپنے ایک دوست کو بھیجتے ہین تو لکھتے ہین "فارسی زبان اس کا نام ہے"

فارسی کا عربی سے الگ کرنا گوشت کو ناخن سے الگ کرنا ہے اس قید واحتراز کے ساتھ اور لوگون نے بھی فارسی لکھی ہے تو یا تو وہ نباہ نہ سکے یا زبان چیستان ہو کر رہ گئی، **خردنامہ** کا کمال یہ ہی کہ وہ سرتاپا خالص فارسی زبان مین ہے، ایک لفظ عربی کا اس مین نہین، پھر زبان کی شستگی، روانی آسانی، اور زود فہمی مین سرمو فرق نہین آیا،

حمد اور تمہید کے اشعار یہ ہین:

بنام آنکہ آغاز ست و پایان ۔۔۔ خدا کاشکار است و نہان

فروغ آسمانہا و زمین است ۔۔۔ چراغ دیدۂ ہر پاک بین است

ندارد ہیچ ہمتاے نہ مانند ۔۔۔ نخواہد نیز انبازے نہ فرزند

اگرچہ پاک از ہر زیر و بالاست ۔۔۔ بہر سو یکہ رو کردی ہمانجا است

بیکتائیش گرچہ بے نیاز است ۔۔۔ بخشش بندگان را چارہ ساز است

طبع اعلےٰ، کاغذ متوسط، قیمت ۸ر

واقعات کربلا، میر انیس کی شاعری محتاج وصف نہین، انکی زبان کے اکثر شایقین کو آرزو تھی کہ اُنکے مرثیون کا ایک عمدہ انتخاب شائع ہوتا۔ اکثر جوانمردون نے اس راہ طے کرنے کی کوشش کی لیکن تغافل یا راہ کی دشواری سے تھک کر بیٹھ گئے، سید منظور علی صاحب کا کوروی سزاوار تہنیت ومبارکبادی ہین، کہ انہون نے ایک مدت کی محنت اور زحمت کشی کے بعد مشکلات پر قابو پایا، اور واقعات کربلا کے نام سے اون انتخابات کا مجموعہ شائع کیا،

امام ہمام علیہ السلام کا حادثہ شہادت، ساڑھے بارہ سو برس سے ہر سال بلکہ ہر ماہ محفلو مین دُھرایا جاتا ہے۔ تاہم وہ کبھی پُرانا نہین ہوا، اور ہر وقت تازہ ہے۔ پہلی محرم کی شام خونی افق پر نمودار ہوتی ہی۔ ماتم گسارانِ امام کے لیے ایک تازہ موسم غم کا آغاز ہوتا ہے، واقعات کربلا مین نظم کی یکسانی اور ہمواری، اور تمام واقعات شہادت پر عبور واطلاع کے لیے یہ کوشش کی ہی کہ تمام مرثیے ایک ہی وزن وبحر کے ہون اور انکو مسلسل ترتیب دیا ہی کہ تسلسل واقعات بھی ٹوٹنے نہ پائے۔ اسطرح پوری کتاب واقعات کربلا کی ایک پُرجوش رزمیہ نظم بن گئی، مقدمہ کی عبارت اِسدرجہ باغ وبہار ہے کہ شمس العلما آزاد مرحوم کا دھوکا ہوتا ہے

طبع وکاغذ متوسط، قیمت عہ، مولف سے کوٹھی منشی احتشام علی صاحب امین آباد لکھنؤ کے پتہ سے طلب فرمائیے،

فاجعہ علمیہ

یعنی

مولانا لطف اللہ صاحب کی وفات

در روزگارِ عشقِ تو ماہم فدا شدیم افسوس کز قبیلۂ مجنون کسے نماند

قدیم عربی مدارس کے در و دیوار اگرچہ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے روز بروز بلند ہوتے جاتے ہین لیکن جھک کے دیکھتے ہین تو سنگ بنیاد متزلزل نظر آتا ہے، ہماری قدیم تعلیم و تربیت کی جو یادگارین ان مدارس کا اساس تھین، ایک ایک کر کے مٹ گیئن، ایک مولوی لطف اللہ صاحب مرحوم رہ گئے تھے، لیکن ۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو صرصرِ فنا نے ہماری علمی انجمن کے اِس چراغ کو بھی گُل کر دیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ٥

مولوی لطف اللہ صاحب مرحوم مین قدیم تعلیم و تربیت کی تمام خصوصیات باکمل وجوہ موجود تھین، علم، اخلاق، اور مذہب قدیم تعلیم و تربیت کا مایہ خمیر تھا، اور انہی محاسن کی بنا پر ہمارے علماء قوم مین عزت، رسوخ اور اثر پیدا کرتے تھے، مولوی لطف اللہ صاحب مرحوم کی ذات مین نہ صرف یہ محاسن جمع ہو گئے تھے، بلکہ وہ اِن اوصاف مین عموماً اپنے اقران و اماثل مین ممتاز خیال کیے جاتے تھے،

اشاعت علم خالصۃً لوجہ اللہ ہمیشہ ہمارے علماء کا تمغۂ امتیاز رہا ہے، اور مولوی لطف اللہ صاحب مرحوم نے اپنی عُمر کا ایک کافی حِصّہ اس نیک کام مین صرف کیا، ہندوستان مین آج جسقدر علمی سلسلے قائم ہین، اور جو علما آج مسند نشین درس و تدریس ہین، ان مین اکثر ایسے ہین جنھون نے مولوی لطف اللہ صاحب مرحوم کے خرمن فیض کی خوشہ چینی کی ہے،

علم و دولت مین ہمیشہ سر رہا ہے، لیکن اللہ تعالے نے دولتِ دنیا سے بھی مولوی صاحب مرحوم کو کافی حِصّہ عطا فرمایا تھا، وہ ریاست حیدر آباد مین بشاہرہ ایک ہزار مدتون افتاء کی خدمت انجام دیتے رہے، لیکن اخیر مین جب آنکھون سے معذور ہو گئے، تو مستعفی ہو کر اپنے وطن علیگڑھ مین گوشہ نشین ہو گئے، اور وہان سے مر کر اٹھے،

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱

مجلد اول	ماہ محرم ۱۳۳۵ھ مطابق نومبر ۱۹۱۶ء	عدد پنجم

فہرس مضامین